بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ

آل عمران

مجلس انصار اللہ مرکزیہ کا ترجمان

ماہنامہ

انصار اللہ

ربوہ

دسمبر ۱۹۶۶ء

ایڈیٹر

مسعود احمد دہلوی

فی پرچہ ۶۰ پیسے

سالانہ چندہ چھ روپے

فہرست مضامین

بچوں کے صفحات :-

پبلشر :- چوہدری محمد ابراہیم • مطبع :- ضیاء الاسلام پریس ربوہ • مقام اشاعت :- دفتر ماہنامہ انصار اللہ دار الصدر جنوبی - ربوہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جلد: ۷ | ماہنامہ انصار اللہ ربوہ | شمارہ: ۱۲

۱۵ دسمبر ۱۹۶۶ء

حصولِ انعاماتِ الٰہیہ کے بابرکت ایّام

خدائے رحیم وکریم کی طرف سے مغفرت کا اذنِ عام

ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا کے مختلف ممالک اور علاقوں میں مختلف حکومتیں قائم ہیں۔ یہ حکومتیں اپنے قیام کی غرض کو پورا کرنے کے لئے حسب ضرورت مختلف قسم کے قوانین نافذ کرتی اور ان پر اپنے عوام سے عمل درآمد کراتی ہیں۔ ان قوانین کی پابندی کرنے والے اچھے اور وفادار شہری شمار ہوتے ہیں، ان سے کوئی بازپرس نہیں ہوتی، اور وہ ہر قسم کے خطرات سے امن میں رہتے ہیں۔ برخلاف اس کے جو لوگ ان قوانین کو توڑتے اور ان کی خلاف ورزی کرتے ہیں وہ مجرم قرار پاتے اور مقررہ سزا کے مستحق ٹھہرتے ہیں۔ الغرض قوانین کے نفاذ کے نتیجہ میں حکومتوں کا کاروبار چلتا چلا جاتا ہے جس سے امن و امان بحال رکھنے اور عوام کو خوشحال بنانے میں مدد ملتی ہے۔

قوانین کے نفاذ اور ان پر عملدرآمد کا یہ سلسلہ اسی طرح جاری رہتا ہے اور اس میں تعطل واقع نہیں ہوتا لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ کبھی کبھی ایسے مواقع بھی آتے ہیں کہ جب مروجہ قوانین میں خلل ڈالے بغیر قوانین کی پابندی

کرنے والوں کو اس سے کہیں بڑھ کر انعام دیا جاتا ہے جس کے از روئے قانون وہ مستحق ہوتے ہیں۔ اسیطرح قوانین کی خلاف ورزی کے مرتکب ہو کر سزا بھگتنے والوں کے ساتھ بھی اس حد تک نرمی کی جاتی ہے کہ بعض شرائط پر یا تو ان کی سزا معاف کر دی جاتی ہے یا اسے پہلے کی نسبت بہت نرم کر دیا جاتا ہے۔ اس کی ایک واضح مثال یہ ہے کہ جب کسی ملک میں کوئی نیا بادشاہ تخت پر بیٹھتا ہے تو وہ اس خوشی میں وفاداروں اور خدمات بجالانے والوں کو انعامات دیتا اور خطابات سے نوازتا ہے۔ اسیطرح اس کے حکم سے ان مجرموں کو بھی جو از روئے قانون اپنے کئے کی سزا بھگت رہے ہوتے ہیں یا تو رہا کر دیا جاتا ہے یا کم از کم ان کی سزاؤں میں کمی کر دی جاتی ہے حتےٰ کہ جنہوں نے خون کیا ہو اور جن کے متعلق قانون کی رو سے پھانسی کا حکم صادر ہو چکا ہو ان کو بھی معافی دے دی جاتی ہے یا ان کی سزائے موت کو قید میں تبدیل کر دیا جاتا ہے۔ یہی کچھ بادشاہ کی شادی اس کے ہاں ولی عہد کی پیدائش کسی لمبی اور مہلک بیماری سے اس کی صحت یابی یا کسی جنگ میں عظیم الشان فتح پر ظہور میں آتا ہے۔ اس وقت عام مروجہ قوانین منسوخ نہیں ہو جاتے وہ اسیطرح نافذ العمل رہتے ہیں۔ اس کے باوجود حکومتیں یا ان کے سربراہ اپنے خصوصی اختیارات سے کام لے کر انعام واکرام عطا کرنے اور اسی طرح سزا یافتہ افراد کی سزاؤں کو کالعدم کرنے یا ان میں نرمی برتنے کے احکام صادر کر دیتے ہیں اس کے نتیجہ میں مروجہ قوانین میں خلل واقع ہوئے بغیر وقتی طور پر سزا و عقوبت اور عطاء و بخشش کے پیمانے بدل جاتے ہیں اور ہر ایک کے ساتھ حتی الامکان عام معافی، رحم وکرم اور لطف و عنایت کا سلوک روا رکھا جاتا ہے۔ قومی سطح پر خوشی و مسرت کے ایسے مواقع پر صرف اور صرف وہی محروم و بے نصیب رہتے ہیں جن کا سابقہ ریکارڈ بہت ہی خراب ہو اور جن سے امن عامہ کو بہر طور انتہائی سنگین خطرہ لاحق ہو۔

اسیطرح ہم دیکھتے ہیں کہ اسلام کی قائم کردہ روحانی دنیا میں بھی خدا تعالیٰ کے وضع کردہ شرعی قوانین نافذ ہیں۔ جو لوگ ان قوانین کی پابندی کر رہے ہوتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں اجر و ثواب کے مستحق ٹھہرتے ہیں اور جو ان کی پابندی نہیں کر رہے ہوتے وہ سزا کے مستحق بنتے چلے جاتے ہیں۔ فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ۝ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ۝ (سورۃ الزلزال آیات ۸، ۹) کے تحت سزا و عتاب اور اجر و ثواب کا یہ سلسلہ ہمیشہ جاری رہتا ہے لیکن وہ خدا جو سب بادشاہوں کا بادشاہ اور احکم الحاکمین ہے اور ہے بھی ارحم الراحمین اس نے بھی ایسے مواقع مقرر کئے ہوئے ہیں کہ جب اس کی رحمت اس قدر جوش میں آتی ہے کہ وہ نیکی بجالانے والوں

کو بے حساب اجر و ثواب سے نوازتا اور حد درجہ ان کا اکرام کرتا ہے اور پھر جو لوگ شرعی قوانین کی خلاف ورزی کے مرتکب ہو کر سزا کے مستحق ٹھہر چکے ہوتے ہیں اگر وہ اس کی جناب میں جھکیں تو وہ رحمت کے جوش میں ان کے تمام گناہ معاف کر دیتا ہے اور اگر وہ اس کی راہ میں استقامت دکھائیں تو انہیں آئندہ بھی گناہوں کے ارتکاب سے بچنے اور محفوظ رہنے کی ضمانت دیتا ہے اور انہیں محض اپنے فضل سے انعام پانے والوں کی قطار میں لا کھڑا کرتا ہے۔ خدا تعالیٰ کے نازل کردہ شرعی قوانین اپنی جگہ نافذ رہتے ہیں۔ چنانچہ جو لوگ اپنی شومئی قسمت سے ان مواقع پر بھی انہیں عمداً توڑنے سے باز نہیں آتے وہ بدستور سزا کے مستحق قرار پاتے ہیں لیکن خدا تعالیٰ ان خاص مواقع پر اپنی رحمت کے جوش میں پہلے سے سزا یافتہ لوگوں کی سزا کو معاف کر دیتا ہے اور انعام پانے والوں کے انعام کو قانون کی مقررہ حد تک محدود نہیں رہنے دیتا بلکہ اس سے کہیں بڑھ کر ان کو انعام دیتا اور انہیں اپنے خاص فضلوں سے نوازتا ہے۔ دنیاوی نظام میں تو ایسے مواقع کبھی کبھار اور شاذ کے طور پر آتے ہیں لیکن روحانی نظام میں خدا تعالیٰ نے ایسے بے شمار مواقع مقرر کر رکھے ہیں۔ ایسے ہی بیش بہا مواقع میں سے ایک سنہری اور انمول موقع رمضان کا بابرکت مہینہ ہے جسے خدا تعالیٰ نے اپنی کامل اور آخری اور ہمیشہ ہمیش قائم رہنے والی ہدایت یعنی قرآن مجید کے نزول کی سالگرہ اور یادگار کے طور پر مقرر فرمایا ہے کیونکہ قرآن مجید کا نزول اسی مقدس و بابرکت مہینے میں شروع ہوا تھا۔

رمضان وہ بابرکت مہینہ ہے جس میں خدا تعالیٰ کی رحمت جوش میں ہوتی ہے اور اس حد تک جوش میں ہوتی ہے کہ وہ رمضان کی مخصوص عبادات بجا لانے والوں سے عام شرعی قوانین اور اپنی سنن مستمرہ کے تقاضوں سے کہیں بڑھ کر محبت و شفقت، رحمت و رأفت، اور لطف و عنایت کا معاملہ کرتا ہے، وہ ان کے تمام پچھلے گناہ، کوتاہیاں اور غفلتیں معاف کر دیتا ہے، آئندہ گناہوں سے حفاظت کی ضمانت دیتا ہے، بکثرت ان کی دعائیں قبول کر کے انہیں ان کی دلی مرادیں عطا کرتا ہے، جنت کا حصول ان کے لئے آسان کر دیتا ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اپنی رضا اور خوشنودی سے نواز کر انہیں لقائے الٰہی کی نعمت سے سرفراز فرماتا ہے۔ رمضان کی عظمت و فضیلت ہی یہ ہے کہ یہ خدا تعالیٰ کے مقرر کردہ ایک ایسے خاص الخاص موقع کی حیثیت رکھتا ہے کہ جس میں خدائے ارحم الراحمین کی رحمت غیر معمولی طور پر جوش میں آتی ہے اور وہ عام سنن مستمرہ سے کہیں بڑھ کر اپنے بندوں کو اجر و ثواب اور انعام و اکرام سے نوازنے پر آمادہ ہوتا ہے۔ بندوں کے محض للہ معمولی سی تکلیف اٹھانے پر خدا تعالیٰ ان پر اس قدر افضال نازل کرتا ہے کہ عمل اور اس کے اجر میں رائی اور پہاڑ کی نسبت بھی

بھی محض ناکافی نظر آتی ہے۔ حق یہ ہے کہ انسان کے محدود اندازے ان دونوں میں کوئی نسبت قائم کر ہی نہیں سکتے۔ اسی لئے رمضان کے انتہائی بابرکت مہینے کو تمام دوسرے مہینوں پر فضیلت حاصل ہے۔ یہ مہینہ دراصل خدائے رحمٰن ورحیم کی طرف سے مغفرت اور بخشش کے اذنِ عام کا مہینہ ہے اور اس کے شب و روز حصولِ انعاماتِ الٰہیہ کے بابرکت ایام ہیں، ایسے بابرکت اور سراپا رحمت کہ ان کی برکتوں اور ان میں نازل ہونے والی رحمتوں کا شمار ہی ممکن نہیں۔

خوش قسمت ہیں وہ انسان جو اس ماہِ مبارک کی عظمت و اہمیت کی معرفت سے بہرہ ور ہوتے ہوئے اسے خدائی احکام کے بموجب اس رنگ میں گزارتے ہیں کہ رحمتِ خداوندی انہیں اس کی عظیم الشان برکتوں سے نواز کر فائز المرام کر دیتی ہے اور ان لوگوں کے بدبخت ہونے میں بھی کوئی شبہ نہیں جو اس مہینے کو پائیں اور پھر اسے اس رنگ میں گزارنے کی فکر نہ کریں کہ وہ عنداللہ جوش میں آئی ہوئی رحمتِ خداوندی کے مورد بننے کے اہل ثابت ہو سکیں۔

یہی وجہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے رمضان کی برکات کو احادیث میں کھول کھول کر بیان فرمایا ہے۔ ان احادیث کو پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضورؐ کے دل میں شدید تڑپ تھی کہ لوگ رمضان کی عظمت و اہمیت سے باخبر ہوں اس ماہ مبارک کو خاص تعہد اور التزام سے گزار کر اس کی عظیم الشان برکتوں سے بہرہ اندوز و فائز المرام ہوں۔ چنانچہ حضورؐ ہر سال رمضان کا مہینہ شروع ہونے سے قبل ہی لوگوں کو جمع کر کے ان پر اس عظیم الشان مہینے کی برکتیں واضح فرماتے تھے اور تلقین فرماتے تھے کہ وہ ان برکتوں سے زیادہ سے زیادہ فیض یاب ہونے کی کوشش کریں اور اس انمول موقع سے فائدہ اٹھا کر فیضانِ الٰہی سے اپنی جھولیاں بھر یں۔ چنانچہ کتبِ احادیث میں حضورؐ کے ایک ایسے ہی خطبہ کا تفصیل سے ذکر آتا ہے۔ اس میں حضورؐ نے رمضان کی عظیم الشان برکتوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:-

وَهُوَ شَهْرٌ اَوَّلُهٗ رَحْمَةٌ وَّاَوْسَطُهٗ مَغْفِرَةٌ وَّاٰخِرُهٗ عِتْقٌ مِّنَ النَّارِ

(مشکوٰۃ)

یعنی رمضان کا مہینہ ایسا بابرکت مہینہ ہے کہ اس کی ابتداء رحمت ہی رحمت ہے اور اس کے درمیان میں مغفرت ہے اور اس کے آخر میں (یعنی انجام کار) آگ سے نجات حاصل ہوتی ہے۔

اس ایک فقرہ میں آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم نے رمضان کی عظیم الشان برکات کو کمال اختصار لیکن پوری جامعیت کے ساتھ بیان فرما کر مومنوں کو ان سے فیضیاب ہونے کی نہایت مؤثر انداز میں تلقین

فرمائی ہے۔ اس میں کیا شک ہے کہ رمضان کا مہینہ اللہ تعالےٰ کی رحمت بے پایاں کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ اُس نے یہ ماہ مبارک مقرر ہی اسں لئے کیا ہے کہ اپنے مومن اور فرمانبردار بندوں کو ان کے مجاہدہ سے کہیں بڑھ کر اپنی رحمتِ خاص کا مورد بنائے۔ پھر اس ماہ مبارک کے سراپا رحمت ہونے کے علاوہ حضورؐ نے حصولِ مغفرت سے اس کے نہایت گہرے تعلق کو ایک اور حدیث میں یوں بیان فرمایا ہے:۔

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ صَامَ رَمَضَانَ اِیْمَانًا وَّ اِحْتِسَابًا غُفِرَ لَہٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِہٖ۔ (صحیح بخاری کتاب الصیام)۔	حضرت ابوہریرۃؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص رمضان کے روزے ایمان کی حالت میں ثواب کی امید کرتے ہوئے رکھتا ہے اس کے تمام گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔

پھر یہی نہیں کہ اللہ تعالےٰ رمضان میں پورے تعہد اور عزم و ہمت کے ساتھ روزے رکھنے والوں اور دلی اخلاص کے ساتھ اس کی مخصوص عبادات بجالانے والوں کے تمام پچھلے گناہ معاف کر دیتا ہے بلکہ آئندہ بھی گناہوں کے ارتکاب سے بچنے کی انہیں توفیق عطا فرماتا ہے۔ چنانچہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں اس حقیقت کی طرف بڑے ہی لطیف انداز میں اشارہ فرمایا ہے۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ، قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلصِّیَامُ جُنَّۃٌ (صحیح بخاری باب فضل الصیام)	حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ روزے ڈھال ہیں۔

اِس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح ڈھال کے پیچھے ہو کر لڑنے والا، دشمن کے وار سے محفوظ ہوتا ہے اسیطرح جو شخص پوری شرائط کے ساتھ رمضان کے روزے رکھتا ہے یہ روزے اس کے لئے ڈھال بن جاتے ہیں اور وہ گویا خدا تعالےٰ کی حفاظت میں آجاتا ہے پھر اس پر شیطان کے حملوں کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ روزہ کی برکت سے شیطان کا ہر وار خالی جاتا ہے اور روزے رکھنے والا گناہوں کے ارتکاب سے محفوظ ہو جاتا ہے ظاہر ہے جو شخص شیطان کے حملوں سے محفوظ ہو کر خدا تعالےٰ کی حفاظت میں آجائے اور گناہوں کے ارتکاب سے محفوظ ہو جائے تو انجام کار وہ دوزخ کی آگ سے بھی محفوظ ہو جاتا ہے اور جنت اس کے لئے مقدر کر دی جاتی ہے۔ اب چونکہ رمضان کے روزے انسان کو دوزخ کی آگ سے محفوظ رکھنے اور جنت کا اہل بنانے کا ذریعہ ہیں اسی لئے

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے درج ذیل حدیث میں رمضان کی عظیم الشان برکات سے کماحقہ مستفیض ہو کر جنت کا اہل ثابت ہونے والوں کا ہی ذکر فرمایا ہے:۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا جَآءَ رَمَضَانُ فُتِحَتْ اَبْوَابُ الْجَنَّةِ وَغُلِّقَتْ اَبْوَابُ النَّارِ وَصُفِّدَتِ الشَّیٰطِیْنُ ۔

حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب رمضان کا مہینہ آتا ہے تو جنّت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور جہنم کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں۔ اور شیاطین کو زنجیروں میں جکڑ دیا جاتا ہے۔

(صحیح مسلم کتاب الصیام)

پھر ایک اور حدیث میں یہ بھی فرمایا کہ زندگی بھر کمال تعہد سے رمضان کے روزے رکھنے والے اور اس میں خاص امتیاز حاصل کرنے والے نہ صرف جنت کے وارث قرار پائیں گے بلکہ انہیں خاص اعزاز کے ساتھ جنت میں داخل کیا جائے گا اور وہ اعزاز یہ ہے کہ ان کے واسطے ایک علیحدہ دروازہ ہوگا۔ جس میں سے سوائے ان کے اور کسی کو بھی جنت میں داخل ہونے کی اجازت نہ ہوگی۔ چنانچہ حدیث میں آتا ہے :۔

عَنْ سَهْلِ ابْنِ سَعْدٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ، قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ فِی الْجَنَّةِ بَابًا یُقَالُ لَهُ الرَّیَّانُ یَدْخُلُ مِنْهُ الصَّآئِمُوْنَ یَوْمَ الْقِیَامَةِ لَا یَدْخُلُ مَعَهُمْ اَحَدٌ غَیْرُهُمْ یُقَالُ اَیْنَ الصَّآئِمُوْنَ فَیَدْخُلُوْنَ مِنْهُ فَاِذَا دَخَلَ اٰخِرُهُمْ اُغْلِقَ فَلَمْ یَدْخُلْ مِنْهُ اَحَدٌ

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جنت کا ایک خاص دروازہ ہے جسے ریّان (یعنی سیرابی کا دروازہ) کہتے ہیں قیامت کے دن اس میں سے صرف روزہ دار داخل ہوں گے اور اس میں سے کوئی دوسرا داخل نہیں ہوگا آواز دی جائے گی کہ روزہ دار کہاں ہیں پس وہ اس دروازہ میں سے داخل ہو جائیں گے جونہی آخری روزہ دار اس میں داخل ہوگا تو اس دروازہ کو بند کر دیا جائے گا اور اس میں سے اور کوئی داخل نہ ہوگا۔

(صحیح مسلم باب فضل الصیام)

ان احادیث سے آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم کے فرمان وَھُوَشَھْرٌ اَوَّلُہٗ رَحْمَۃٌ وَّاَوْسَطُہٗ مَغْفِرَۃٌ وَّاٰخِرُہٗ عِتْقٌ مِّنَ النَّارِ کی صداقت پوری تفصیل کے ساتھ ذہن نشین ہو جاتی ہے حضورؐ کا یہ فرمان اجمال کا رنگ رکھتا ہے اور یہ احادیث اس کی تفصیل ہیں۔ بہر حال حضورؐ کے اس فرمان اور ان احادیث سے یہ امر ظاہر و باہر ہے کہ رمضان کا بابرکت مہینہ ایک ایسے انمول اور اخص موقع کی حیثیت رکھتا ہے کہ جس میں اللہ تعالےٰ کی رحمت غیر معمولی طور پر جوش میں آتی ہے۔ اس ماہ مبارک میں وہ اپنے بندوں کو اجر و ثواب کے عام قانون سے کہیں بڑھ کر اپنے فیضان خاص سے نوازنا چاہتا ہے۔ اسی لئے اس نے نزول قرآن کی سالگرہ اور یادگار کے طور پر اسے مقرر کیا ہے وہ پوری شرائط کے ساتھ روزے رکھنے والوں کے تمام گزشتہ گناہ بخش دیتا ہے۔ یہی نہیں بلکہ وہ ان کے روزوں کو ڈھال بنا کر انہیں شیطان کے حملوں اور مزید گناہوں کے ارتکاب سے بھی محفوظ کر دیتا ہے۔ پھر وہ اسی پر بس نہیں کرتا بلکہ انہیں اور بہت سی نیکیوں کی توفیق دے کر محض اپنے فضل سے جنّت کا مستحق بنا دیتا ہے اور جنّت کا مستحق بنانے کے بعد انہیں یہ اکرام ملنے کی بشارت بھی دیتا ہے کہ وہ قیامت کے دن ایک خاص دروازے سے جنّت میں داخل کئے جائیں گے۔ گنتی کے کل تیس روزے اور ان کی مخصوص عبادات لیکن اجر و ثواب کتنا عظیم!

اب، چونکہ اللہ تعالےٰ نے رمضان میں اتنی برکتیں رکھی ہیں اس لئے وہ نہیں چاہتا کہ اُس کے بندے محض اپنی غفلت سے اپنے آپ کو ان برکات سے محروم رکھیں۔ چنانچہ اس نے رمضان کی عظمت و اہمیت اور اس کی برکات کے تعلق میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ میرے بندے روزہ کو عام شرعی احکام کے تحت کئے جانے والے دیگر نیک اعمال کی طرح محض ایک نیک عمل نہ سمجھیں۔ اس نیک عمل میں اور دیگر نیک اعمال میں ایک فرق ہے اور وہ فرق اس نیک عمل کی عظمت و شان کا آئینہ دار ہے۔ فرق یہ ہے کہ میرے بندے اَور نیک اعمال تو اپنے لئے بجالاتے ہیں لیکن روزہ ایک ایسا نیک عمل ہے جو میرے لئے ہے اور جب وہ میرے لئے ہے تو پھر میں اس کی جزاء بھی دیگر نیک اعمال کی بہ نسبت کہیں بڑھ کر دوں گا اور وہ یہ ہے کہ اس کی جزاء میں خود بن جاؤں گا یعنی اسے اپنی لقاء عطا کردوں گا۔ چنانچہ حدیث قدسی ہے:-

عَنِ ابْنِ شِھَابٍ اَخْبَرَنِیْ سَعِیْدُ بْنُ الْمُسَیِّبِ اِنَّہٗ	حضرت ابن شہاب فرماتے ہیں کہ مجھے سعید بن مسیب نے بتایا اور انہوں نے حضرت

سَمِعَ اَبَاھُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ قَالَ اللّٰہُ عَزَّ وَجَلَّ کُلُّ عَمَلِ ابْنِ اٰدَمَ لَہٗ، اِلَّا الصِّیَامُ ھُوَ لِیْ وَاَنَا اَجْزِیْ بِہٖ فَوَالَّذِیْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِیَدِہٖ لَخُلُوْفُ فَمِ الصَّائِمِ اَطْیَبُ عِنْدَ اللّٰہِ مِنْ رِیْحِ الْمِسْکِ ۔ (صحیح مسلم باب فضل الصیام)

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے سنا۔ آپؐ نے فرمایا کہ خدائے عزّ و جلّ نے فرمایا کہ بنی آدم میں سے جو بھی کوئی عمل کرتا ہے اپنے لئے کرتا ہے سوائے روزہ کے کیونکہ روزہ میرے لئے ہے اور اس کی جزاء میں خود ہوں (حضور نے فرمایا) قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمدؐ کی جان ہے کہ روزہ دار کی منہ کی بُو اللہ تعالیٰ کو مشک کی خوشبو سے بھی زیادہ پسندیدہ اور مرغوب ہے

اللہ! اللہ! کیا عظمت اور شان ہے رمضان کی! انسان نیک اعمال اِسی لئے بجالاتا ہے کہ اسے لقائے الٰہی نصیب ہو۔ دوسرے نیک اعمال کے نتیجہ میں بھی خدا تعالےٰ اپنے فضل سے اپنے بندہ کو یہ مقام عطا کرتا ہے لیکن جملہ نیک اعمال میں سے یہ امتیاز صرف اور صرف روزہ ہی کو حاصل ہے کہ اس کے متعلق فرمایا کہ انسان کا یہ نیک عمل میرے لئے ہے اور اس کی جزاء میں خود ہوں۔ سو اگر دیکھا جائے تو رمضان لقائے الٰہی کی نعمت عام کرنے کے لئے ہی آتا ہے۔ انسان کو اگر خدا مل جائے تو پھر اور چاہیئے ہی کیا۔ پھر تو ہر چیز اس کی غلام بلکہ غلاموں کی غلام ہے۔

پس رمضان کے یہ مبارک ایام جن میں سے آجکل ہم گزر رہے ہیں حصول انعاماتِ الٰہیہ کے ایام ہیں یہ خدائے رحیم و کریم کی طرف سے حصول مغفرت اور عتق من النار کے ایام ہیں۔ اور اگر خدا کا فضل شامل ہو تو لقائے الٰہی کی لازوال دولت سے مالا مال ہونے کے ایام ہیں۔ اِس سے بڑھ کر انسان کی بدبختی نہیں ہو سکتی کہ وہ ایسے بابرکت ایام پائے اور پھر بھی اپنی غفلت سے محروم رہے۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث کے حوالہ سے فرمایا ہے:۔

"حدیث شریف میں آیا ہے کہ دوؔ آدمی بڑے بدقسمت ہیں ایک وہ جس نے رمضان پایا اور رمضان گزر گیا پر اس کے گناہ نہ بخشے گئے اور دوسرا وہ جس نے والدین کو پایا اور والدین گزر گئے پر اس کے گناہ نہ بخشے گئے۔" (ملفوظات جلد ہفتم ص۳۷۵)

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں رمضان کی عظمت و اہمیت کو سمجھنے اس کی جملہ عبادات کو دلی اخلاص اور پورے عزم و تعہد کے ساتھ بجالانے اور ان بابرکت ایام کو اس طور پر گزارنے کی توفیق عطا فرمائے کہ ہم اس کی عظیم الشان برکات سے پورے طور پر متمتع ہو سکیں۔ اللہ تعالیٰ اپنی جوش رحمت میں ہمارے سارے گناہ بخش دے اور پھر خود ہی ہمیں نیکیوں میں استقامت اور مداومت عطا فرما کر ہمیں محض اپنے فضل سے جنت کا وارث بنا دے . . . . اور ہمیں اپنے فضل سے ان خوش نصیبوں میں شامل کرے جن کے لئے قیامت کے دن الریّان میں سے ہو کر جنت میں داخل ہونا مقدر ہے۔

اے خدا تو خود ہمیں توفیق عطا فرما کہ ہمارے روزے تیرے لئے ہوں اور محض اپنے فضل کے نتیجہ میں تو خود ان کی جزاء بن کر ہمیں اپنی لقا سے نواز۔ ہمارا اُن ازلی بدبختوں میں شمار نہ ہو جو شیطان کے پنجۂ اسیری میں گرفتار ہونے کے باعث رمضان ایسے انتہائی بابرکت موقع سے بھی فائدہ نہیں اٹھاتے اور خدائی رحمت کے جوش میں آنے کے باوجود بھی محروم ہی رہتے ہیں۔ بلکہ تیرے فضل کے نتیجہ میں ہمارا شمار ان خوش نصیبوں میں ہو جنہیں رحمتِ خداوندی بے حساب طریق پر نوازنے کے لئے چُن لیتی ہے جن کے لئے شیطان فی الحقیقت زنجیروں میں جکڑ دیا جاتا ہے، دوزخ کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں اور جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔ آمین اللّٰھم آمین۔

جاڑے کے روزے

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:-

" جاڑے کے روزے تھے، صرف غذا کے اوقات کی ایک تبدیلی تھی۔ سات آٹھ بجے نہ کھائی چار پانچ بجے کھالی۔ باوجود اس قدر رعایت کے پھر بھی بہتوں نے شعائر اللہ کی عظمت نہیں کی اور خدا تعالیٰ کے اس واجب التکریم مہمان ماہ رمضان کو بڑی حقارت سے دیکھا۔ اس قدر آسانی کے مہینوں میں رمضان کا آنا ایک معیار تھا اور مطیع و عاصی میں فرق کرنے کے لئے یہ روزے میزان کا حکم رکھتے تھے" (روداد جلسہ دعا ص۱۵)

:کلمات طیبات حضرت مسیح موعود علیہ السّلام:

روزہ سے اتنا ہی مطلب نہیں ہے کہ انسان بھوکا رہے!

اسے چاہیئے کہ زیادہ سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی حمد اور تسبیح و تہلیل میں لگا رہے تاکہ اسے تبتل اور انقطاع حاصل ہو۔

ذیل میں امام الزمان سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پر معارف ملفوظات میں سے بعض چیدہ چیدہ اقتباس ہدیۂ قارئین کئے جاتے ہیں۔ ان میں حضور علیہ السّلام نے رمضان کی حقیقت، اس کی عظمت و اہمیت اور عظیم الشان برکات پر نہایت پُر زور اور دلنشین انداز میں روشنی ڈالی ہے۔ نیز روزوں سے متعلق بعض مسائل بھی واضح فرمائے ہیں ——— حضور علیہ السلام فرماتے ہیں :-

رمضان کی حقیقت

۱۔ " رمض سورج کی تپش کو کہتے ہیں۔ رمضان میں چونکہ انسان اکل و شرب اور تمام جسمانی لذتوں پر صبر کرتا ہے۔ دوسرے اللہ تعالےٰ کے احکام کے لئے ایک حرارت اور جوش پیدا کرتا ہے اس لئے جسمانی اور روحانی حرارت اور تپش مل کر رمضان ہوا۔ اہل لغت جو کہتے ہیں کہ گرمی کے مہینے میں آیا اس لئے رمضان کہلایا میرے نزدیک یہ صحیح نہیں کیونکہ عرب کے لئے یہ خصوصیت نہیں ہو سکتی۔ روحانی رمض سے مراد روحانی ذوق و شوق اور حرارتِ دینی ہوتی ہے "

(الحکم ۲۴ جولائی ۱۹۰۱ء)

ماہ رمضان کی عظمت

۲۔ شَھْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِیْہِ الْقُرْاٰنُ سے ماہ رمضان کی عظمت معلوم ہوتی ہے۔

صوفیا نے لکھا ہے کہ یہ ماہ تنویر قلب کے لئے عمدہ مہینہ ہے۔ کثرت سے اس میں مکاشفات ہوتے ہیں، صلوٰۃ تزکیۂ نفس کرتی ہے اور صوم تجلّیٔ قلب کرتا ہے۔ تزکیہ نفس سے مراد یہ ہے کہ نفسِ امّارہ کی شہوات سے بُعد حاصل ہو جائے اور تجلّیٔ قلب سے مراد یہ ہے کہ کشف کا دروازہ اُس پر کھلے تاکہ خدا کو دیکھ لے۔ پس اُنْزِلَ فِیْہِ الْقُرْاٰنُ میں یہی اشارہ ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ روزہ کا اجر عظیم ہے" (البدر ۱۲ دسمبر ۱۹۰۲ء)

روزہ سے خدا تعالیٰ کا منشاء

۳۔" تیسری بات جو اسلام کا رکن ہے وہ روزہ ہے۔ روزہ کی حقیقت سے بھی لوگ ناواقف ہیں۔ اصل یہ ہے کہ جس ملک میں انسان جاتا نہیں اور جس عالم سے واقف نہیں اس کے حالات کیا بیان کرے۔ روزہ اتنا ہی نہیں کہ اس میں انسان بھوکا پیاسا رہتا ہے بلکہ اس کی ایک حقیقت ہے اور اس کا ایک اثر ہے جو تجربہ سے معلوم ہوتا ہے۔ انسانی فطرت میں ہے کہ جس قدر کم کھاتا ہے اسی قدر تزکیہ نفس ہوتا ہے اور کشفی قوتیں بڑھتی ہیں۔ خدا تعالیٰ کا منشاء اس سے یہ ہے کہ ایک غذا کو کم کرو اور دوسری کو بڑھاؤ۔ ہمیشہ روزہ دار کو یہ مدّنظر رکھنا چاہیئے کہ اس سے اتنا ہی مطلب نہیں کہ بھوکا رہے۔ بلکہ اُسے چاہیئے کہ خدا تعالیٰ کے ذکر میں مصروف رہے تاکہ تبتّل اور انقطاع حاصل ہو۔ پس روزہ سے یہی مطلب ہے کہ انسان ایک روٹی کو چھوڑ کر جو صرف جسم کی پرورش کرتی ہے دوسری روٹی کو حاصل کرے جو روح کی تسلّی اور سیری کا باعث ہے۔ جو لوگ محض خدا کے لئے روزے رکھتے ہیں اور نرے رسم کے طور پر نہیں رکھتے انہیں چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ کی حمد اور تسبیح اور تہلیل میں لگے رہیں۔ جس سے دوسری غذا انہیں مل جاوے" (الحکم ۱۷ جنوری ۱۹۰۷ء)

۴۔ " روزہ دار کو خیال رکھنا چاہیئے کہ روزہ سے صرف یہ مطلب نہیں کہ انسان بھوکا رہے بلکہ خدا کے ذکر میں بہت مشغول رہنا چاہیئے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم رمضان شریف میں بہت عبادت کرتے تھے۔ ان ایام میں کھانے پینے کے خیالات سے فارغ ہو کر اور ان ضرورتوں سے انقطاع کر کے تبتّل الی اللہ حاصل کرنا چاہیئے۔ بدنصیب ہے وہ شخص جس کو جسمانی روٹی ملی مگر اس نے روحانی روٹی کی پرواہ نہیں کی جسمانی روٹی سے جسم کو قوت ملتی ہے۔ ایسا ہی روحانی روٹی روح کو قائم

رکھتا ہے اور اس سے روحانی قویٰ تیز ہوتے ہیں۔" (سیت چہ لا الہ الا اللہ ۲۳۰)

روزہ کی عظیم الشان برکات!

۵۔ "جب میں نے چھ ماہ کے روزے رکھے تو ایک دفعہ ایک طائفہ انبیاء کا کشف میں ملا۔ اور انہوں نے کہا کہ تُو نے کیوں اپنے نفس کو اتنی مشقت میں ڈالا ہوا ہے، تو اس سے باہر نکل۔ اس طرح جب انسان خدا کے واسطے اپنے آپ کو مشقت میں ڈالتا ہے تو وہ خود ماں باپ کی طرح رحم کر کے اسے کہتا ہے کہ تو کیوں مشقت میں پڑا ہے۔ مگر جو تکلف سے اپنے آپ کو مشقت سے محروم رکھتے ہیں خدا ان کو دوسری مشقت میں ڈال دیتا ہے اور نکالتا نہیں۔ اور دوسرے جو خود مشقت میں میں پڑتے ہیں ان کو وہ آپ نکالتا ہے۔ انسان کو واجب ہے کہ اپنے نفس پر آپ شفقت نہ کرے بلکہ ایسا بنے کہ خدا اس کے نفس پر شفقت کرے، انسان کی شفقت اس کے نفس پہ اس کے لئے جہنم ہے اور خدا کی شفقت جنت۔ ابراہیم علیہ السلام کے قصہ پر غور کرو جو آگ میں خود گرنا چاہتا ہے اسے تو وہ خدا آگ سے بچاتا ہے اور جو خود آگ سے بچنا چاہتے ہیں وہ آگ میں ڈالے جاتے ہیں۔" (الحکم ۱۰ ردسمبر ۱۹۰۲ء)

روزہ اور حیلہ جُو

۶۔ "اس دنیا میں بہت سے لوگ بہانہ جُو ہیں۔ وہ خیال کرتے ہیں کہ ہم اہل دنیا کو دھوکہ دے لیتے ہیں۔ ویسے ہی وہ خدا کو فریب دینا چاہتے ہیں۔ بہانہ جو اپنے وجود سے آپ مسئلہ تراش لیتے ہیں۔ اور تکلفات کو شامل کر کے اِن (خود تراشیدہ) مسائل کو صحیح گردانتے ہیں۔ لیکن خدا کے نزدیک وہ صحیح نہیں ہیں۔ تکلف کا باب تو بہت وسیع ہے۔ اگر انسان چاہے تو اس کی رو سے ساری عمر بیٹھ کر ہی نماز پڑھتا رہے اور روزے بالکل نہ رکھے۔ مگر خدا اس کی نیت اور ارادے کو جانتا ہے جو صدق اور اخلاص رکھتا ہے خدا جانتا ہے کہ اس کے دل میں درد ہے۔ اس لئے خدا اسے اصل ثواب سے بھی زیادہ دیتا ہے کیونکہ دردِ دل ایک قابلِ قدر شے ہے۔ حیلہ جو آدمی تاویلوں پر تکیہ کرتے ہیں۔ لیکن خدا کے نزدیک یہ تکیہ کوئی شے نہیں۔"

(الحکم ۱۰ ردسمبر ۱۹۰۲ء)

حقیقی معذور آسمان پر روزہ سے محروم نہیں

۷ " جو شخص کہ روزہ سے محروم رہتا ہے مگر اس کے دل میں یہ نیت بھی درد دل سے تھی کہ کاش میں تندرست ہوتا اور روزہ رکھتا اور اُس کا دل اس بات کے لئے گریاں ہے تو فرشتے اس کے لئے روزے رکھیں گے۔ بشرطیکہ وہ بہانہ جو نہ ہو تو خدا تعالیٰ ہرگز اسے ثواب سے محروم نہ رکھے گا۔ یہ ایک باریک امر ہے۔ اگر کسی شخص پر اپنے نفس کی کسل کی وجہ سے روزہ گراں ہے اور وہ اپنے خیال میں گمان کرتا ہے کہ بیمار ہوں اور میری صحت ایسی ہے کہ اگر ایک وقت نہ کھاؤں تو فلاں فلاں عوارض لاحق ہوں گے اور یہ ہوگا اور وہ ہوگا تو ایسا آدمی جو خدائی نعمت کو خود اپنے اوپر گراں گمان کرتا ہے کب اس ثواب کا مستحق ہوگا۔ ہاں وہ شخص جس کا دل اس بات سے خوش ہے کہ رمضان آگیا اور اس کا منتظر ہی تھا کہ آوے اور روزہ رکھوں اور پھر وہ بوجہ بیماری کے رکھ نہیں سکتا وہ آسمان پر روزہ سے محروم نہیں ہے۔" (الحکم ۱۰ دسمبر ۱۹۰۲ء)

روزہ بھی ایک ضروری مجاہدہ ہے

۸ " خدا تعالیٰ نے دین اسلام میں پانچ مجاہدات مقرر فرمائے ہیں۔ نماز[1]، روزہ[2]، زکوٰۃ[3] وصدقات حج[4]، اسلامی دشمن کا ذب اور دفع خواہ سیفی ہو خواہ قلمی ـــ یہ پانچ مجاہدے قرآن شریف سے ثابت ہیں۔ مسلمانوں کو چاہیئے کہ ان میں کوشش کریں اور ان کی پابندی کریں۔ یہ روزے تو سال میں ایک ماہ کے ہیں۔ بعض اہل اللہ تو نوافل کے طور پر اکثر روزے رکھتے رہتے ہیں اور ان میں مجاہدہ کرتے ہیں۔ ہاں دائمی روزے رکھنا منع ہیں۔ یعنی ایسا نہیں چاہیئے کہ آدمی ہمیشہ روزے ہی رکھتا رہے بلکہ ایسا کرنا چاہیئے کہ نفلی روزہ کبھی رکھے اور کبھی چھوڑ دے۔"

(۲۴ اکتوبر ۱۹۰۷ء۔ بحوالہ ملفوظات جلد نہم ص ۴۴۳)

فدیہ دینا کن کے لئے جائز ہے

۹۔ " صرف فدیہ تو شیخ فانی یا اس جیسوں کے واسطے ہو سکتا ہے جو روزہ کی طاقت کبھی بھی نہیں رکھتے۔ ورنہ عوام کے واسطے جو صحت پاکر روزہ رکھنے کے قابل ہو جاتے ہیں صرف فدیہ کا خیال کرنا اباحت کا دروازہ کھول دینا ہے۔ جس دین میں مجاہدات نہ ہوں وہ دین ہمارے نزدیک کچھ

نہیں۔ اس طرح سے خدا تعالیٰ کے بوجھوں کو سر پر سے ٹالنا سخت گناہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ جو لوگ تیری راہ میں مجاہدہ کرتے ہیں ان کو ہی ہدایت دی جاوے گی۔"

(بدر ۲۴ر اکتوبر ۱۹۰۷ء۔ بحوالہ ملفوظات جلد ۹ صفحہ ۲۳۳)

مسافروں اور بیماروں کے لئے رخصت

۱۰۔ "قرآن شریف کی رخصتوں پر عمل کرنا بھی تقویٰ ہے۔ خدا تعالیٰ نے مسافر اور بیمار کو دوسرے وقت رکھنے کی اجازت اور رخصت دی ہے۔ اس لئے اس حکم پر بھی تو عمل رکھنا چاہیئے۔ میں نے پڑھا ہے کہ اکثر اکابر اس طرف گئے ہیں کہ اگر کوئی حالت سفر یا بیماری میں روزہ رکھتا ہے تو یہ معصیت ہے۔ کیونکہ غرض تو اللہ تعالیٰ کی رضا ہے نہ اپنی مرضی۔ اور اللہ تعالیٰ کی رضا فرمانبرداری میں ہے جو حکم وہ دے اس کی اطاعت کی جاوے اور اپنی طرف سے اس پر حاشیہ نہ چڑھایا جاوے اس نے تو یہی حکم دیا ہے مَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ۔ اس میں کوئی اور قید نہیں لگائی کہ ایسا سفر ہو یا ایسی بیماری ہو۔ میں سفر کی حالت میں روزہ نہیں رکھتا اور ایسا ہی بیماری کی حالت میں۔"

(الحکم ۱۳ر جنوری ۱۹۰۷ء۔ بحوالہ ملفوظات جلد ۹ صفحہ ۱۴۳)

۱۱۔ "جو شخص مریض اور مسافر ہونے کی حالت میں ماہ رمضان میں روزے رکھتا ہے وہ خدا تعالیٰ کے صریح حکم کی نافرمانی کرتا ہے۔ خدا تعالیٰ نے صاف فرمادیا ہے کہ مریض اور مسافر روزہ نہ رکھے مرض سے صحت پانے اور سفر کے ختم ہونے کے بعد روزے رکھے۔ خدا تعالیٰ کے اس حکم پر عمل کرنا چاہیئے۔ کیونکہ نجات فضل سے ہے نہ کہ اپنے اعمال کا زور دکھا کر کوئی نجات حاصل کر سکتا ہے۔ خدا تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ مرض تھوڑی ہو یا بہت اور سفر چھوٹا ہو یا لمبا ہو۔ بلکہ حکم عام ہے اور اس پر عمل کرنا چاہیئے۔ مریض اور مسافر اگر روزہ رکھیں گے تو ان پر حکم عدولی کا فتویٰ لازم آئے گا۔"

(بدر ۱۷ر اکتوبر ۱۹۰۷ء۔ بحوالہ ملفوظات جلد ۹ صفحہ ۴۳۱)

محنت کشوں کے متعلق شریعت کا فیصلہ

۱۲۔ سوال پیش ہوا بعض دفعہ رمضان ایسے موسم میں آتا ہے کہ کاشت کاروں سے جب کہ کام کی کثرت مثل تخم ریزی و درودگی ہوتی ہے۔ ایسے ہی مزدوروں سے جن کا گزارہ مزدوری ہے روزہ نہیں رکھا جاتا ان کی

نسبت کیا ارشاد ہے؟ فرمایا:۔

۱۲۔ "الاعمال بالنیات۔ یہ لوگ اپنی حالتوں کو مخفی رکھتے ہیں۔ ہر شخص تقویٰ و طہارت سے اپنی حالت سوچ لے۔ اگر کوئی اپنی جگہ مزدوری پہ روزہ رکھ سکتا ہے تو ایسا کرے ورنہ مریض کے حکم میں ہے۔ پھر جب میسر ہو رکھ لے۔"

(بدر ۲۶ ستمبر ۱۹۰۷ء بحوالہ ملفوظات جلد ۹ صفحہ ۳۹۴)

روزہ سے متعلق بعض مسائل

۱۳۔ ایک شخص کا سوال حضور علیہ السلام کی خدمت میں پیش ہوا کہ روزہ دار کو آئینہ دیکھنا جائز ہے یا نہیں؟ ——

فرمایا:۔ "جائز ہے۔"

۱۴۔ اسی شخص کا ایک اور سوال پیش ہوا کہ حالتِ روزہ میں سر کو یا ڈاڑھی کو تیل لگانا جائز ہے یا نہیں؟ ——

فرمایا:۔ "جائز ہے"

۱۵۔ اسی شخص کا ایک اور سوال پیش ہوا کہ اگر روزہ دار کی آنکھ بیمار ہو تو اس میں دوا ڈالنی جائز ہے یا نہیں؟

—— فرمایا:۔ "یہ سوال ہی غلط ہے۔ بیمار کے واسطے روزہ رکھنے کا حکم نہیں۔"

۱۶۔ سوال پیش ہوا کہ روزہ دار کو خوشبو لگانا جائز ہے یا نہیں؟ —— فرمایا:۔ "جائز ہے"

۱۷۔ سوال پیش ہوا کہ روزہ دار آنکھوں میں سرمہ ڈالے یا نہ ڈالے؟ —— فرمایا:۔

"مکروہ ہے۔ اور ایسی ضرورت ہی کیا ہے کہ دن کے وقت سرمہ لگائے۔ رات کو سرمہ لگا سکتا ہے۔"

۱۸۔ سوال پیش ہوا کہ جو شخص روزہ رکھنے کے قابل نہ ہو اور اس کے عوض مسکین کو کھانا کھلانا چاہیے اس کھانے کی رقم قادیان کے یتیم فنڈ میں بھیجنا جائز ہے یا نہیں؟ —— فرمایا:۔

"ایک ہی بات ہے خواہ اپنے شہر میں کسی مسکین کو کھلائے یا یتیم اور مسکین فنڈ میں بھیج دے"

(بدر ۷ فروری ۱۹۰۷ء بحوالہ ملفوظات جلد ۹ صفحہ ۱۷۱، ۱۷۲)

٭

منظوم عربی کلام حضرت مسیح موعود علیہ السلام

نورٌ علیٰ نورٍ ھدیً ؛ یومًا فیومًا فی النّما

(قرآن کریم کی ہدایتیں نورٌ علیٰ نور ہیں اور وہ دن بدن وہ نور زیادتی میں ہے)

لمّا أرى الفرقان مبسمًا ؛ تردّى من طغى ۔ من کان نابغ وقته ؛ جاء الصواطن ألثغا

جب قرآن نے اپنی شکل دکھلائی تو ہر ایک طاغی نیچے گر گیا، جو شخص اپنے وقت کا فصیح اور جلد گو تھا وہ کند زبان ہو کر میدان میں آیا۔

من کان ذا عین النّهى ؛ فإلى محاسنه صغى ۔ إلّا الذی من جهله ؛ ألفى الضلالة أو بغى

جو شخص عقلمند تھا وہ قرآن کے محاسن کی طرف مائل ہو گیا، ہاں وہ باقی رہا جو گمراہی کا مددگار بنا اور ظلم اختیار کیا

عین المعارف کلّها ؛ آتاه ربٌّ مبتغى ۔ لا ینبئنّ ببحره ؛ الزخّار کلبًا مولغا

تمام معارف کا چشمہ خدا تعالیٰ نے قرآن کو دیا، اور اس کے بحرِ ذخار سے اس کتے کو خبر نہیں دی جاتی جس کو تھوڑا سا پانی پلایا جاتا ہے

نورٌ علیٰ نورٍ ھدیً ؛ یومًا فیومًا فی النّما ۔ من کان منکر نوره ؛ قد جئته متفرّغا

اس کی ہدایتیں نورٌ علیٰ نور ہیں اور دن بدن وہ نور زیادتی میں ہے اور جو شخص اس کے نور کا منکر ہے میں اسی کے لئے فارغ ہو کر آیا ہوں،

فیها العلوم جمیعها ؛ وحلیبها لمن ارتغى ۔ فیها المعارف کلّها ؛ وقلیبها بل أبلغا

اور اس میں تمام علم ہیں اور اس میں علوم کا دودھ ہے اس کے لئے جو دودھ کا حصہ کھا رہا ہے اور اس میں تمام معارف اور ان کا کنواں بلکہ اس سے زیادہ ہے،

ویلٌ لکفّارٍ لدیغٍ ؛ لا یفارق ملدغا ۔ ویلٌ لمن بزغت له ؛ شمسٌ فعادا مُبزِغا

اُس کافر مار گزیدہ پر واویلا ہے جو اس جگہ سے علیحدہ نہیں ہوتا جہاں سے کاٹا گیا اُس شخص پر واویلا ہے جس کے لئے سورج چمکا اور پھر وہ مطلع الشمس سے دشمنی کرنے لگا

من فرّ من فیضانه ؛ إلّا علیٰ وممّا أفرغا ۔ ما کان قلبًا تائبًا ؛ بل کان لحمًا أسلغا

جو شخص اس کے فیضان سے اور فیضان شدہ باتوں سے بھاگا وہ رجوع کرنے والا دل نہیں تھا بلکہ وہ ایک ایسا گوشت تھا جو گداز نہ ہوا۔

(نور الحق)

منظوم فارسی کلام حضرت مسیح موعود علیہ السلام

حمد و شکرِ آں خدائے کردگار!

(اُس خدائے کردگار کی حمد اور شکر واجب ہے)

حمد و شکرِ آں خدائے کردگار   کز وجودش ہر وجودے آشکار
اس خدائے کردگار کی حمد اور شکر واجب ہے جس کے وجود سے ہر چیز کا وجود ظاہر ہوا

ایں جہاں آئینہ دارِ روئے او   ذرّہ ذرّہ رہ نماید سوئے او
یہ جہاں اُس کے چہرہ کے لئے آئینہ کی طرح ہے ذرّہ ذرّہ اسی کی طرف راستہ دکھاتا ہے

کرد در آئینۂ ارض و سما   آں رُخِ بے مثل خود جلوہ نما
اُس نے زمین و آسمان کے آئینہ میں اپنا بے مثل چہرہ دکھلایا ہے۔

ہر گیاہے عارفِ بُنگاہِ او   دستِ ہر شاخے نماید راہِ او
گھاس کا ہر پتہ اس کے کون و مکان کی معرفت رکھتا ہے اور درختوں کی ہر شاخ اسی کا راستہ دکھاتی ہے

مہر و ماہ و انجم و خاک آفرید   صد ہزاراں کرد صنعتہا پدید
اُس نے چاند سورج ستارے اور زمین کو پیدا کیا اور اس نے لاکھوں صنعتیں ظاہر کر دیں

ایں ہمہ صنعش کتابِ کارِ اوست   بے نہایت اندریں اسرارِ اوست
اس کی یہ تمام صنّاعیاں اس کی کاریگری کا دفتر ہیں اور ان میں اس کے بے انتہا اسرار ہیں،

ایں کتابے پیشِ چشمِ ما نہاد   تا از و راہِ ھُدیٰ داریم یاد
نیچر کی کتاب اس نے ہماری آنکھوں کے سامنے رکھ دی تاکہ اس کی وجہ سے ہم ہدایت کا راستہ یاد رکھیں

(ضیاء الحق)

رمضان کی برکات اور ان کا فلسفہ!

(حضرت امیر المومنین المصلح الموعود خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

سیدنا حضرت امیر المومنین المصلح الموعود خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے ایک خطبہ میں جو حضور نے ۲ر مارچ ۱۹۲۸ء کو ارشاد فرمایا رمضان کی برکات اور ان کے فلسفہ پر نہایت ہی بصیرت افروز پیرایہ میں روشنی ڈالی تھی۔ اس میں حضور نے اس امر کو واضح فرمایا تھا کہ رمضان کے مہینے کو برکات کے لحاظ سے دوسرے مہینوں پر اگر فضیلت حاصل ہے تو کیوں ہے اور خدا تعالیٰ نے اس مہینے کو بابرکت بنایا ہے تو اس میں اس کی کیا حکمت پوشیدہ ہے۔ اس مناسبت سے کہ آج کل ہم پھر اس بابرکت مہینے میں سے گزر رہے ہیں۔ اس بصیرت افروز خطبہ کا ایک بیش قیمت اقتباس ذیل میں ہدیہ قارئین کیا جاتا ہے۔ (ادارہ)

"جہاں تک خدا تعالیٰ کی اپنی ذات کا تعلق ہے، اسے دنوں یا مہینوں یا سالوں سے کوئی تعلق نہیں اور اس کے افضال کسی دن اور مہینہ سے وابستہ نہیں۔ مگر وہ انسان جس سے خدا تعالیٰ سلوک کرنا چاہتا ہے وہ مہینوں سے وابستہ ہے۔ خدا تعالیٰ تو رات دن جاگتا اور ہمیشہ بیدار رہتا ہے۔ اس لئے دن اور رات کی ساری گھڑیاں اس کے واسطے ایک جیسی ہیں لیکن بندہ سوتا ہے اس کے واسطے سب گھڑیاں ایک جیسی نہیں۔ لہذا باوجود اس کے کہ خدا کے لئے دن اور رات کی ساری گھڑیاں ایک جیسی ہیں اس نے فرمایا کہ بندہ کی دعائیں سننے کے لئے میں رات کی آخری گھڑیوں میں نیچے اتر آتا ہوں یعنی اس وقت دعائیں خاص طور پر قبول کرتا ہوں۔ یہ گھڑیاں انسان کے لئے گہری اور میٹھی نیند کی گھڑیاں ہوتی ہیں۔ جو انسان خدا تعالیٰ کے لئے انہیں قربان کرتا ہے اس کی دعا خدا تعالیٰ سنتا ہے۔ اس لئے نہیں کہ خدا کو رات کی آخری گھڑیوں

سے تعلق ہے بلکہ اس لئے کہ بندہ کو ان گھڑیوں سے تعلق ہے۔

اسی طرح خدا تعالےٰ کے لئے سب مہینے برابر ہیں۔ مگر بندہ پر کسل اور سستی کی حالت آتی ہے۔ اس لئے اس کی خاطر ایک مہینہ مخصوص کر دیا کیونکہ بندہ بارہ مہینے خدا تعالےٰ کی طرف ایک سا متوجہ نہیں ہو سکتا۔ پس خدا تعالےٰ نے اِس مہینہ کو اس لئے نہیں چنا کہ اسے رمضان کا مہینہ پیارا ہے بلکہ اس لئے چنا کہ بندہ ایک مہینہ کو مخصوص کئے بغیر خاص طور پر خدا کی طرف متوجہ نہیں ہو سکتا تھا۔ پس خدا تعالےٰ نے رمضان کو اس لئے نہیں چنا کہ یہ مہینہ بابرکت تھا بلکہ خدا نے انسانوں کو کمال تک پہنچانے کے لئے اسے بابرکت بنایا۔ قرآن کو بھی رمضان کے ساتھ خاص تعلق ہے مگر اس لئے نہیں کہ یہ مہینہ مبارک تھا بلکہ جب رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی روحانیت اس کمال تک پہنچ گئی کہ قرآن شریف نازل ہو تو وہ رمضان کا مہینہ تھا۔ اس لئے خدا تعالےٰ نے اسے مبارک بنا دیا تاکہ انسانوں کو یاد دلائے کہ اس مہینہ میں عجز و انکسار سے اور خدا تعالےٰ کے آگے اپنے آپ کو ڈال دینے سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین بن گئے۔ پس یہ مہینہ ہمارے لئے نشان ہے۔ یہ بندوں کو موقع دیتا ہے کہ خدا کی طرف خاص طور پر متوجہ ہوں اور جو کام ہمیشہ نہیں کر سکتے کم از کم اس مہینہ میں کر لیں۔ ان حالات پر نظر ڈالتے ہوئے اور بندوں کے لحاظ سے تعلق رکھتے ہوئے یہ مہینہ بابرکت ہے۔ ورنہ خدا تعالےٰ کے لئے سب وقت یکساں ہیں چونکہ بغیر وقت کی تعیین کے انسان سست ہو جاتا ہے اور وہ یہ کہتے کہتے کہ پھر کر لیں گے وقت گزار دیتا ہے اس لئے خدا تعالےٰ نے اس مہینہ کو چنا تاکہ سست سے سست اور غافل سے غافل لوگوں کو بھی ہوشیار کرے۔ چونکہ یہ مہینہ جاہل اور گم گشتہ راہِ ہدایت مخلوق کو خدا کی طرف کھینچ لاتا ہے اس لئے بابرکت ہے۔

پس ان برکات سے جو اس مہینہ کے ساتھ وابستہ ہیں اور اس حکمت کے ماتحت جو میں نے بیان کی ہے ہمیں اس سے بہتر سے بہتر فائدہ اٹھانا چاہیئے۔ جو طبائع پہلے خدا تعالےٰ کی طرف متوجہ نہ تھیں ان کو اس طرح متوجہ ہونا چاہیئے کہ یہ رمضان کا مہینہ چلا جائے مگر ان کے لئے نہ جائے رمضان کی یہی خوبی ہے کہ انسان اس ماہ میں خدا تعالےٰ کے لئے رات کو اٹھتا ہے اور دعائیں کرتا ہے لیکن جو شخص ہمیشہ رات کو اٹھے اور خدا تعالےٰ کے حکم کے ماتحت اپنی طاقت اور قوت کے مطابق عبادت کرے اس کے لئے رمضان کے گزر جانے کے بعد بھی رمضان ہی ہے۔ پس یہ ناممکن نہیں ہے کہ اسی رمضان کی وجہ سے ایسی توفیق مل جائے کہ باقی گیارہ مہینے بھی رمضان ہی رہے۔ لہٰذا ہمارے دوستوں کو اِس ماہ کے برکات سے فیض یاب ہونے کے لئے خصوصیت سے کوشش کرنی چاہیئے اور

خصوصیت سے دعائیں کرنی چاہئیں۔

خدا تعالیٰ تو ہر وقت سنتا ہے مگر انسان کی ہمت بندھانے کے لئے خدا تعالیٰ نے (رمضان کی شکل میں) اسے دعاؤں کا خاص موقع دیا ہے۔ میں نے دیکھا ہے کہ معمولی کھیلوں اور کاموں میں بھی اگر یہ طریق نہ رکھا جائے تو وہ نہ ہو سکیں۔ مثلاً ایم اے کا امتحان شاید ہی کوئی پاس کرتا اگر صرف یہی آخری امتحان رکھا جاتا۔ پس امتحان کے درجے اس لئے رکھے جاتے ہیں کہ انسان کو جرأت پیدا ہو اور وہ سمجھے کہ اب میں نے ایک امتحان پاس کر لیا ہے میں اسی طرح ترقی کرتا جاؤں یا اسی طرح چھوٹے بچے کو استاد دیکھتا ہے کہ سست ہو رہا ہے تو کہتا ہے کہ بس ایک دفعہ سبق اور دہرا لو تو یاد ہو جائے گا اسی طرح رسہ کھینچنے کے وقت جب لڑکے سست ہونے لگتے ہیں تو کہا جاتا ہے ذرا اور زور لگا لو تو جیت جاؤ گے۔ اس سے ان کے دل مضبوط ہو جاتے ہیں۔ بات یہ ہے کہ جب انسان کو معلوم ہو جائے کہ اس کا مقصود اسے ملنے والا ہے تو وہ اپنی انتہائی قوت اور طاقت خرچ کر دیتا ہے۔ اسی لئے خدا تعالیٰ نے انسان کی ہمت کی کمزوری کو دیکھ کر (رمضان کے مہینے کو چنا اور) کہا لو آج میں تمہاری دعائیں سننے کے لئے تیار ہو گیا ہوں۔ غرض اس سے یہ ہے کہ جو اپنی کم ہمتی کی وجہ سے اپنی دعائیں سنانے اس کے حضور نہیں جاتے وہ بھی جائیں۔ یہ بندوں کے لحاظ سے باتیں ہیں۔ چونکہ جس ہستی نے انسان کو پیدا کیا وہی جانتی ہے کہ انسان کس طرح ہدایت پا سکتا ہے اس لئے اس نے یہ طریق رکھا ہے ورنہ خدا کامل ہے، ہمیشہ سے کامل ہے اور ہمیشہ کامل رہے گا۔ وہ بابرکت ہے۔ ہمیشہ سے بابرکت ہے اور ہمیشہ بابرکت رہے گا۔ مگر کوئی وجہ سہی، ہماری کمزوری اور ہماری سستی ہماری کوتاہی کی وجہ سے ہی سہی مگر بہرحال جب ہماری کمزوریوں نے اس کی برکات حاصل کرنے کا خاص موقع بہم پہنچایا ہے تو ہم کیوں اس سے فائدہ نہ اٹھائیں۔

پس ان ایام میں خصوصیت سے دعائیں کرو۔ مگر صرف اپنے نفس کو ہی مدنظر نہیں رکھنا چاہیئے بلکہ اسلام اور سلسلہ کی ترقی اور کامیابی کے لئے بھی دعائیں کرنی چاہئیں ہم اس وقت ایک جنگ کی حالت میں ہیں اور جنگ کے موقع پر شخصی ضرورتوں کو قومی ضرورتوں پر قربان کر دیا جاتا ہے جس طرح جنگ کے موقع پر یہ نہیں دیکھا جاتا کہ کسی کا اکلوتا بیٹا ہے یا دو یا پانچ بلکہ قوم کی خاطر قربانی کا سوال ہوتا ہے اسی طرح آج اسلام کی عظمت کا سوال ہے اور خصوصیت سے اسلام کی خدمت کی ضرورت ہے۔ پھر ایک طریق دعا کرنے کا اور بھی ہے۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ دعا کرتے وقت

اپنے بھائیوں کو یاد رکھا کرو۔ یہ منع ہے کہ کوئی شخص اپنے لئے دعا مانگے اور صرف دوسروں کے لئے دعا مانگے۔ دعا اپنے لئے بھی مانگنی چاہیئے اور دوسروں کے لئے بھی۔ جب دوسروں کے لئے مانگتا ہے تو فرشتے اس کے لئے دعا مانگتے ہیں۔ جو شخص دوسروں کے لئے ہی مانگتا ہے وہ غلطی کرتا ہے۔ اس میں کبر پایا جاتا ہے۔ گویا وہ اپنے آپ کو خدا کا محتاج نہیں سمجھتا۔ سو اپنے لئے بھی دعا مانگو اور دوسروں کے لئے بھی مانگو۔ اس سے اصلاح نفس اور قربانی کا مادہ بھی پیدا ہوتا ہے کیونکہ جب ہم خدا تعالیٰ سے کہتے ہیں کہ ہمارے فلاں بھائی کو یہ دے اور وہ دے تو کیا جب موقع پیدا ہوگا تو ہم خود حتی الامکان اس کی مدد نہ کریں گے؟ ضرور کریں گے ورنہ ہماری دعا جھوٹی ہوگی۔ اس طرح دعا کرنے سے قومی نظام مضبوط ہوتا ہے۔

پس جماعت کے سب بھائیوں کے لئے مصیبت زدوں کے لئے بھی اور ان کے لئے بھی جو ابتلاء میں ہوں خواہ وہ ابتلاء روحانی ہوں یا دنیوی مجموعی طور پر سب کی دینی و دنیوی ترقیات کے لئے دعائیں کرنی چاہئیں تا ملائکہ ہمارے لئے دعا کریں"

تربیت اولاد کا گر

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں :-

"حضرت داؤد علیہ السلام کا ایک قول ہے کہ میں بچہ تھا۔ جوان ہوا۔ اور اب بوڑھا ہو گیا۔ میں نے متقی کو کبھی ایسی حالت میں نہیں دیکھا کہ اسے رزق کی مار ہو اور نہ اس کی اولاد کو ٹکڑے مانگتے دیکھا۔ اللہ تعالیٰ تو کئی پشت تک رعایت رکھتا ہے پس خود نیک بنو اور اپنی اولاد کے لئے ایک عمدہ نمونہ نیکی اور تقویٰ کا ہو جاؤ اور اس کو متقی اور دیندار بنانے کے لئے سعی اور دعا کرو۔ جس قدر کوشش تم ان کے لئے مال جمع کرنے کی کرتے ہو اسی قدر کوشش اس امر میں کرو"

(ملفوظات جلد ۸ صفحہ ۱۰۹)

موجودہ دور کے بعض مخصوص اعمالِ صالحہ

(مکرم پروفیسر شیخ محبوب عالم صاحب خالد ایم اے)

اللہ تعالیٰ سورۃ العصر میں فرماتا ہے اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لیقیناً (نبیوں کا مخالف) انسان ہمیشہ گھاٹے میں رہتا ہے۔ سوائے ان لوگوں کے جو (انبیاء پر) ایمان لائے اور پھر انہوں نے (موقعہ کے) مناسب حال عمل کئے۔ (تفسیر صغیر) اس آیت میں اللہ تعالےٰ نے انسانوں میں سے دو گروہوں کا ذکر فرمایا ہے۔ ایک وہ جو گھاٹے میں رہنے والے ہیں اور دوسرے وہ جنہیں اللہ تعالےٰ اپنے خاص فضلوں سے نوازتا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں (الذین امنوا وعملوا الصلحت) جو ایمان لاتے اور اعمالِ صالحہ بجالاتے ہیں۔ یہ لوگ کبھی گھاٹے میں نہیں رہتے بلکہ اللہ تعالےٰ کے خاص فضلوں کے وارث ہوتے ہیں۔ یہاں یہ امر غور طلب ہے کہ اللہ تعالےٰ ان کے تعلق میں صرف آمنوا نہیں فرماتا بلکہ ساتھ وعملوا الصلحت بھی فرماتا ہے۔ خسران سے بچنے کے لئے محض ایمان لانا کافی نہیں بلکہ ساتھ اعمال اور اعمال بھی صالحہ بجالانا ضروری ہے کہ اس کے بغیر ایمان کامل نہیں ہوتا۔

قرآن مجید میں ایمان کے ساتھ اعمال صالحہ پر بھی خصوصی زور دیا گیا ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ محض ایمان لانا اور نیک اعمال بجالانا کافی نہیں بلکہ موقع اور محل کے مناسب نیک اعمال بجالانا ضروری ہے۔ اعمال صالحہ سے مراد وہ اعمال ہیں جو فساد سے پاک اور بامصلحت اور مناسب حال ہوں قرآن کریم اور دیگر مذاہب کی تعلیمات میں یہ فرق ہے کہ دیگر مذاہب محض نیک اعمال پر زور دیتے ہیں مثلاً بندوں سے حسن سلوک، صدقہ و خیرات، عفو، احسان وغیرہ، مگر قرآن مجید ان کی بجائے اعمال صالحہ بجالانے کا حکم دیتا ہے جو اپنے اندر نیک اعمال سے وسیع تر مفہوم رکھتے ہیں۔ قرآن کریم کے نزدیک ایک نیک عمل کی ظاہری اچھی شکل انسان کو پاک کرنے کے لئے کافی نہیں بلکہ اس کا مناسبِ حال ہونا بھی ضروری ہے۔ مثلاً نماز کا ظاہری شکل میں

بجالانا کافی نہیں جب تک کہ وہ ریاء اور نمائش سے بھی پاک نہ ہو۔ نماز نیک عمل ہے لیکن اگر اس کے ساتھ ریاءؔ اور نمائش شامل ہو تو گو بظاہر وہ خدا تعالیٰ کی عبادت ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول نہیں ہوگی کیونکہ وہ عمل صالح نہیں۔ اسیطرح اگر ایک بچہ ڈوب رہا ہو اور ایک شخص جو تیرنا جانتا ہے اسے علم بھی ہو کہ بچہ ڈوب رہا ہے پھر بھی وہ اسے بچانے کے لئے پانی میں کود جانے کی بجائے، نماز شروع کردے تو گو یہ نیک عمل ہوگا مگر عمل صالح نہ ہوگا کیونکہ وقت کا تقاضا یہ تھا کہ وہ نماز کی بجائے بچہ کو بچانے کی کوشش کرتا۔ ایک شخص جو فطرتاً نرم دل واقعہ ہو وہ ایک ایسے شخص کو جس نے ظلم کیا ہو معاف کرنا چاہے تو گو معاف کردینا نیک عمل ہے مگر عمل صالح نہیں ہوگا۔ کیونکہ اسے آئندہ ظلم سے روکنے کے لئے اس پر سختی کی ضرورت تھی۔ پس عفو گو نیک عمل ہے مگر ایسے موقع پر یہ عمل صالح نہیں ہوگا۔ عمل صالحہ یہ ہوگا کہ اس ظالم کا مقابلہ کیا جائے اور اسے ظلم سے روکا جائے اور مظلوم کی حمایت کی جائے۔ ایک مجسٹریٹ جسے ملکی قانون کے مطابق ملزموں کو سزا دینے کے لئے مقرر کیا گیا ہے اگر طبعی رحم کی وجہ سے عفو سے کام لینا شروع کردے تو یہ نیک عمل ہوگا مگر عمل صالح نہیں ہوگا۔ کیونکہ یہ عفو فرائض منصبی کی ادائیگی میں کوتاہی کے مترادف ہوگا۔ اور خدا تعالیٰ کے ہاں غیر مقبول۔ ایک شخص کے پاس کسی کی کچھ رقم امانتاً ہو وہ اسے غریبوں میں تقسیم کردے تو غریبوں کی امداد گو نیک فعل ہے مگر اس کا یہ فعل عمل صالح نہیں ہوگا کیونکہ امین کی حیثیت سے اس کا فرض تھا کہ روپیہ کو محفوظ رکھتا۔ ایک استاد اگر سکول کے اوقات میں تعلیم و تدریس کو چھوڑ کر نفل پڑھنا شروع کردے تو گو نفل پڑھنا نیک کام ہے مگر اس کے لئے یہ عمل صالح نہیں ہوگا کیونکہ اس نے فرائض منصبی کی ادائیگی میں کوتاہی کی ہے۔ غرض خدا تعالیٰ کے حضور محض نیک عمل نہیں بلکہ عمل صالح مقبول ہوتا ہے۔ سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:۔

"عمل صالح اس نیک عمل کو کہتے ہیں کہ جو نہ صرف ظاہری طور پر اچھا ہو بلکہ باطنی طور پر بھی اچھا ہو۔ اور صرف اپنی ذات میں اچھا نہ ہو بلکہ موقع کے لحاظ سے بھی اچھا ہو۔ اور عمل صالح کرنے والا وہ شخص ہے کہ جو اندھا دھند لفظوں کی اتباع نہیں کرتا بلکہ اپنی عقلِ خداداد سے کام لے کر یہ بھی دیکھتا ہے کہ موقع کے لحاظ سے وہ عمل کس صورت میں ظاہر ہونا چاہیئے۔ یا وہ اس پر کفایت نہیں کرتا کہ وہ کوئی نیک عمل بجا لا رہا ہے بلکہ یہ بھی دیکھتا ہے کہ وہ ہر قسم کے نیک اعمال جو اس کی اور دوسروں کی روحانی یا مادی بہتری کے لئے ضروری ہیں بجا لا رہا ہے۔ قرآن کریم میں اس فرق کو نہایت لطیف پیرایہ میں بیان کیا گیا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فمن عفا و اصلح فاجرہٗ علی اللہ یعنی جس

شخص پر ظلم ہو وہ اس کا بدلہ اس قدر لے سکتا ہے جس قدر اس پر ظلم ہوا ہو لیکن جو شخص معاف کرے مگر ساتھ اس کے اصلاح کا پہلو مدنظر رکھے تو اس کا اجر اللہ تعالیٰ پر ہو گا۔ اس آیت میں عفو جو ایک نیک عمل ہے اس کی تعریف کی گئی ہے۔ مگر اس کے ساتھ ہی یہ شرط لگا دی ہے کہ عفو اسی صورت میں خدا تعالیٰ کے حضور پسندیدہ ہو گا جب کہ اس کے نتیجہ میں اصلاح بھی پیدا ہو ورنہ نہیں۔ اس کی مثال یہ ہے کہ ایک شخص کو کوئی ڈاکو ملے جو پاس کے گاؤں میں لوٹنے جا رہا ہو۔ وہ ڈاکو اس کی طاقت کا غلط اندازہ لگاتے ہوئے جاتے جاتے اس پر بھی ہاتھ صاف کرنا چاہے مگر اس سے مغلوب ہو جائے تو گو اس کا ڈاکو کو معاف کر دینا بظاہر نیک عمل ہو گا لیکن اگر اسے معلوم ہو کہ اس ڈاکو کا دل صاف نہیں اور وہ اس سے چھوٹ کر گاؤں کے کسی اور غریب اور کمزور آدمی پر حملہ کر کے اس کے مال یا اس کی جان کو نقصان پہنچائے گا تو چونکہ اس ڈاکو کو معاف کرنا اصلاح کا نہیں بلکہ فساد کا موجب ہو گا اگر وہ شخص اس ڈاکو کو معاف کر دے تو باوجود عفو سے کام لینے کے عمل صالح کا بجا لانے والا نہ سمجھا جائے گا۔"

(تفسیر کبیر جلد ۱ جزء ۱ صفحہ ۲۴۹)

پس محض نیک عمل ہی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں مقبول ہونے کے لئے ایک کام کا عمل صالح ہونا بھی ضروری ہے۔ روزہ رکھنا ایک نیک عمل ہے مگر جہاد میں ایک موقعہ پر جب کہ روزہ دار اپنے تئیں کمزور پا رہے تھے روزہ نہ رکھنے والے صحابہؓ آگے بڑھے اور انہوں نے نہایت مستعدی سے کام کیا تو سیدنا حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خوشنودی کا اظہار فرماتے ہوئے فرمایا آج روزہ داروں سے روزہ نہ رکھنے والے بڑھ گئے اور خدا تعالیٰ کے حضور زیادہ مقبول ہوئے۔ پس اس موقعہ پر روزہ نہ رکھنا عمل صالح قرار پایا کیونکہ موقع نے اس کا عمل صالح ہونا ظاہر کر دیا تھا۔

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ایک اور موقع پر فرماتا ہے الیہ یصعد الکلم الطیّب والعمل الصّالح یرفعہ (فاطر ع۲) یعنی جب ایک انسان ایمان کا دعویٰ کرتا ہے تو عمل صالح اسے اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول بنا دیتا ہے۔ پس محض ایمان کا دعویٰ کافی نہیں ہوتا جب تک کہ اس کے ساتھ عمل صالح نہ ہو جو اللہ تعالیٰ کی نظر میں اس کے دعوائے ایمان کو قابل قبول بنا دیتا ہے۔

سورہ نور میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وعد اللہ الّذین اٰمنوا منکم وعملوا الصّٰلحٰت لیستخلفنّھم فی الارض کما استخلف الّذین من قبلھم ولیمکّننّ لھم

دینھم الذی ارتضیٰ لھم ولیبدلنھم من بعد خوفھم امنا (النور ع) اللہ نے تم میں ایمان لانے والوں اور مناسب حال عمل کرنے والوں سے وعدہ کیا ہے کہ وہ ان میں زمین میں خلافت قائم رکھے گا جس طرح اس نے ان سے پہلے لوگوں میں خلافت قائم رکھی اور جو دین اس نے ان کے لئے پسند کیا ہے۔ اسے مضبوطی سے قائم رکھے گا۔ اور ان کے خوف کو امن سے بدل دے گا۔

الٰہی سلسلوں میں خلافت کا قیام دین کی تمکنت اور اس کی مضبوطی کا باعث ہوتا ہے۔ مگر خلافت کی نعمت کا وعدہ محض مومنوں سے نہیں بلکہ ان مومنوں سے ہے جو عملوا الصالحات کے مصداق ہیں یعنی جو اعمال صالح بجالاتے اور امام وقت کی رہنمائی میں اس کے منشاء کے مطابق کام کرتے ہیں یعنی جن کاموں کی طرف خلیفۂ وقت توجہ دلائیں ان کی طرف فوری توجہ مبذول کرتے ہیں اور انہیں پایہ تکمیل تک پہنچانے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتے۔ پس اس آیت کی روشنی میں خلافت کی نعمت جماعت مومنین کے محض نیک عمل بجا لانے کے ساتھ نہیں بلکہ اعمال صالحہ بجالانے کے ساتھ مختص ہے۔ جماعت احمدیہ کو اللہ تعالیٰ نے خلافت کی عظیم نعمت سے نوازا ہے۔ اسے یہ امر ہمیشہ اپنے ذہن میں مستحضر رکھنا چاہیئے کہ خلافت کی نعمت کو قائم رکھنے کے لئے محض نیک اعمال نہیں بلکہ اعمال صالحہ ضروری ہیں۔ اور اعمال صالحہ مقتضی ہیں خلیفۃ المسیح کی زیر ہدایت ایک نظام کے ماتحت کام کرنے کے۔ اعمال صالحہ مقتضی ہیں مناسبِ حال اعمال بجالانے کے۔ اعمال صالح مقتضی ہیں ہمیشہ امام وقت کی طرف دیکھتے رہنے اور اسی کے اشاروں پر چلنے کے کہ اسے خدا مقرر کرتا ہے اور اس کی خود راہنمائی کرتا ہے۔ اعمالِ صالحہ مقتضی ہیں امام وقت کے ساتھ گہری دلی وابستگی اور شدید محبت پیدا کرنے اور خندہ پیشانی اور بشاشت قلب کے ساتھ اس کی اطاعت کا جوا اپنی گردن پر رکھنے کے۔ اور اعمال صالحہ مقتضی ہیں اس امر کے کہ خدا کی دی ہوئی روشنی میں تمام حالات کا جائزہ لے کر امام وقت اور خلیفۃ المسیح جو پروگرام جماعت مومنین کے سامنے رکھیں پوری توجہ ان پر مرتکز کی جائے اور ان کے منشاء کے مطابق کام کیا جائے۔ یہ نہ ہو کہ ان پر پوری توجہ مرتکز کرنے کی بجائے کچھ اور ایسی تحریکیں جاری کر دی جائیں جو ہوں تو بظاہر نیک ہی مگر امام وقت کے پروگرام کے ساتھ مطابقت نہ رکھنے کی وجہ سے اس سے توجہ ہٹانے کی باعث بنیں اور اس وجہ سے عمل صالح نہ رہیں پس ہر آن ہر قدم پھونک پھونک کر رکھنے کی ضرورت ہے۔ تا کہ خلافت حقہ کی یہ نعمت جماعت احمدیہ میں ہمیشہ قائم رہے اور نہ صرف ہم بلکہ ہماری نسلیں بھی اس عظیم نعمت سے ہمیشہ متمتع ہوتی رہیں۔

اس وقت تک ہمارے پیارے آقا سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ بنصرہ العزیز نے جماعت کو مندرجہ ذیل تحریکات فرمائی ہیں انہی پر پوری توجہ مرتکز رکھنا اور ان تحریکات کو ہر طرح کامیاب بنانے میں خدا کی دی ہوئی طاقتیں صرف کرنا ہی اس زمانہ میں ایسے نیک اعمال ہیں جو صالح ہیں اور خدا کی

نظر میں مقبول۔

۱- قرآن کریم پڑھنے پڑھانے اور سیکھنے سکھانے کا ہر گھر میں چرچا ہو یہاں تک کہ جماعت میں کوئی ایسا فرد نہ رہے جو قرآن کریم ناظرہ نہ پڑھ سکتا اور اس کا ترجمہ نہ جانتا ہو۔

۲- سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جاری فرمودہ نیک کاموں کو جاری رکھنے کے لئے فضل عمر فاؤنڈیشن کو مضبوط بنیادوں پر قائم کیا جائے اور اس تحریک میں دل کھول کر حصہ لیا جائے۔

۳- امسال تحریک جدید کا چندہ ساڑھے سات لاکھ روپیہ تک پہنچ جانا چاہیئے اس میں ہر فرد جماعت کو حصہ لینا چاہیئے ان نوجوانوں کو بھی جو تا حال اس تحریک میں حصہ نہیں لے رہے اور جن کے لئے حضور ایدہ اللہ بنصرہ العزیز نے تحریک جدید کے دفتر سوم کا اجراء فرمایا ہے کہ اس دفتر کو کامیاب بنانا ان کا فرض ہے

۴- ہر سال کم از کم پانچ ہزار افراد جماعت عارضی وقف میں پندرہ دن سے ڈیڑھ ماہ تک وقف کریں۔

۵- وقف جدید کو مضبوط بنایا جائے۔ نیز اس تحریک میں احمدی بچے اور بچیاں پچاس ہزار روپیہ سالانہ چندہ دیں تا اپنے جیب خرچ سے خدا کی راہ میں خرچ کرنے کی ان میں عادت پیدا ہو۔

۶- جماعت کے کسی شخص کو کبھی بھوکا نہ سونے دیا جائے۔

پس خلافت ثالثہ کے اس مبارک دور میں کہ یہ خلافت ثانیہ کے مبارک دور کے تسلسل ہی میں ہے جماعت کے چھوٹوں بڑوں عورتوں اور مردوں کا فرض ہے کہ ان تحریکات پر اپنی پوری توجہ مرتکز رکھیں اور انہیں کامیاب بنانے کی ہر ممکن کوشش کریں تا وہ خدا کی نظر میں اعمال صالحہ بجالانے اور اس کی رضا کی راہوں پر چلنے والے قرار پائیں۔ اور خدا کے فضل سے خلافت ان میں ہمیشہ قائم رہے اور وہ ہمیشہ اس سے مستفیض ہوتے رہیں آمین۔ واٰخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین۔

تہجد کی عادت ڈالو

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں :-

"نمازوں میں عاجزی کرو، تہجد کی عادت ڈالو، تہجد میں رو رو کر دعائیں مانگو کہ خدا تعالیٰ گڑ گڑانے والوں اور تقویٰ اختیار کرنے والوں کو ضائع نہیں کرتا۔" (ملفوظات جلد اوّل ص۲۳۴)

قبولیتِ دُعا کی دُو ذاتی مثالیں

(مکرم مولانا محمد صادق صاحب سابق مبلغ سماٹرا)

دعا کی اہمیت

اسلام میں دعا کو بڑی اہمیت حاصل ہے حتیٰ کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا الدعاء مخ العبادۃ دعا عبادت کا مغز ہے دعا کو عبادت سے الگ کر دیا جائے تو عبادت جسم بے جان کی طرح رہ جائے گی۔ فرمایا الدعاء ھو العبادۃ کہ دعا ہی دراصل عبادت ہے۔ دعا[1] کے ذریعہ انسان اپنے رب کو پکارتا ہے۔[2] دعا ہی کے ذریعہ اس کا اپنے رب سے تعلق قائم ہوتا ہے۔ دعا[3] ہی کے ذریعہ وہ تعلق مضبوط ہوتا ہے، پھر دعا[4] ہی کے ذریعہ انسان کے اندر محبت اور عشق الٰہی موجزن ہوتے ہیں۔ دعا[5] ہی کے نتیجہ میں انسان کی بہت سی مشکلات حل ہوتی ہیں۔ دعا ہی[6] کے ذریعہ خدا تعالےٰ کی تائید اور نصرت اور فضل کو جذب کیا جاتا ہے۔ اور دعا ہی[7] ہے جس کے نتیجے میں خدا تعالےٰ کے بڑے عظیم الشان نشان دنیا کو مشاہدہ کرنے کا موقع ملتا ہے اور وہ اس کی ہستی کے متعلق یقین محکم پر قائم ہو جاتی ہے۔ فرمایا۔ و اذا سالک عبادی عنّی فانی قریب اجیب دعوۃ الداع اذا دعان (سورہ بقرہ) کہ جب میرے بندے تجھ سے میرے متعلق سوال کریں تو تو انہیں کہہ دے کہ میں قریب ہوں۔ اس کی دلیل کیا ہے؟ فرمایا کہ میں دعا مانگنے والے کی دعا قبول کرتا ہوں، اس کی پکار کا جواب دیتا ہوں ہاں جو لوگ خدا تعالےٰ پر ایمان نہیں لاتے اور نہ دعا کرتے ہیں وہ اس قابل قدر نعمت سے محروم رہتے ہیں اور دنیا سے ناکام و نامراد جاتے ہیں۔ فرمایا: وقال ربّکم ادعونی استجب لکم انّ الذین یستکبرون عن عبادتی سیدخلون جھنّم داخرین۔ "تیرے رب نے فرمایا ہے کہ اے لوگو! تم مجھ سے دعا کرو میں قبول کروں گا ہاں وہ لوگ جو تکبر کی وجہ سے میری عبادت (دعا) سے بے توجہی برتتے ہیں وہ ذلیل ہو کر جہنم میں داخل ہوں گے"

خدا تعالیٰ کے رسول اور ان کے حقیقی متبعین مجسم دعا ہوتے ہیں۔ ان کی ساری کامیابی کا انحصار دراصل دعا پر ہوتا ہے اس لئے ان کے مخالفین کی دعاؤں کو ان کے لئے رد کر دیا جاتا ہے اور ان کے مقابلہ پر آنے والے دشمنوں کو ذلیل کر دیا جاتا ہے۔ فرمایا وَمَا دُعٰٓؤُا الْکٰفِرِیْنَ اِلَّا فِیْ ضَلٰلٍ اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَیَوْمَ یَقُوْمُ الْاَشْہَادُ ،

(سورہ مومن آیت ۵۰)

کہ کفار کی پکار اکارت جاتی ہے۔ ہاں ہم اپنے رسولوں کی (دعا کو بھی سنتے اور ان کی) مدد (بھی) کرتے ہیں اور ان لوگوں کی بھی جو ان پر سچا ایمان لائے۔ اس دنیا میں اور اس دن بھی جب گواہ (گواہی دینے کے لئے) کھڑے ہوں گے"۔ دوسرے موقع پر رسولوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا اِنَّهُمْ كَانُوْا يُسٰرِعُوْنَ فِی الْخَیْرٰتِ وَیَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّرَهَبًا وَكَانُوْا لَنَا خٰشِعِیْنَ (سورہ الانبیاء ۹۲) کہ وہ نیک کاموں کے بجالانے میں جلدی کرتے اور خوشی اور خوف کے وقت ہمیں پکارتے اور ہمیشہ ہمارے سامنے جھکتے تھے"۔

پس دعا کا انبیاء کرام اور ان کے سچے متبعین سے خاص تعلق ہے اسی لئے وہ لوگ جو پیغام حق پہنچانے میں مشغول ہوتے ہیں اور اس کے لئے ہر قسم کی جانی، مالی، جذباتی قربانی کرنے کے ساتھ ساتھ خدا تعالیٰ سے دعا کرتے رہتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کی دعاؤں کو سنتا ہے اور ان کی تائید فرماتا ہے۔ اور اس میں کامیاب و کامران کرتا ہے۔

اس وقت اس امر کے ثبوت کے لئے میں دو واقعات جو خود مجھے پیش آئے یہاں درج کرتا ہوں

پہلا واقعہ

۱۹۳۳ء کا واقعہ ہے کہ اچیبہ کے علاقہ میں واقع ایک گاؤں لہوسوکن (LHO-SUKUN) کے چند دوستوں نے بیعت کی اور مجھے لکھا کہ ہمارے گاؤں میں تبلیغ کا اچھا موقع ہے آپ آئیں تاکہ تبلیغ کی جائے۔ میں وہاں پہنچا لیکن دوسرے ہی دن مجھے وہاں کے راجہ نے وہاں سے نکل جانے کا حکم دے دیا۔ گو میں سمجھتا تھا کہ یہ حکم ظالمانہ ہے اور بالکل ناجائز ہے تاہم میں نے وہاں سے روانہ ہو جانا ہی مناسب سمجھا۔ جب میں گھر سے سٹیشن کی طرف روانہ ہو رہا تھا تو ہمارے بعض مخالفین نے ہنسی کی اور مذاق اڑایا۔ اس وقت میں نے اللہ پر بھروسہ کرتے ہوئے احمدی دوستوں سے کہا کہ میں انشاء اللہ پھر یہاں آؤں گا۔

میں اپنے ہیڈکوارٹر شہر کوتاراجا میں پہنچا اور دوسرے ہی دن اچیبہ کے گورنر (VAN AKEN)

دفن آکن، سے ملنے چلا گیا۔ ملاقات میں میں نے سارے حالات بیان کئے اور درخواست کی کہ مجھے لہوسوکن میں دوبارہ جانے اور دو چار دن وہاں رہنے کا موقع دیا جائے۔ گورنر صاحب نے میری درخواست کو منظور کر لیا اور پوچھا کہ تم کب وہاں جاؤ گے اور گاڑی سے جاؤ گے یا بس سے اور کتنے دن وہاں ٹھہرو گے؟ میں نے کہا کہ میں کل ہی چلا جاؤں گا۔ اور ٹرین سے جاؤں گا اور دو تین دن تک وہاں ٹھہروں گا۔ گورنر صاحب کہنے لگے میں اس لئے پوچھتا ہوں کہ تمہاری حفاظت کی جائے اور تمہارے ساتھ دو تین آدمی بھجوا دیئے جائیں۔ میں ابھی وہاں کے COMPTROLLER کو فون کر دیتا ہوں کہ وہ بھی تمہارا خیال رکھے۔ تم وہاں پہنچ کر سب سے پہلے اس کے پاس رپورٹ کرنا چنانچہ میرے سامنے اس نے فون کر دیا۔

اس پر میں واپس آ گیا گھر میں آ کر چیزیں جمع کیں اور صبح سویرے گھر سے 'لہوسوکن' روانہ ہوا۔ اسٹیشن پر پہنچ کر میں نے ٹکٹ بیچنے والے کلرک سے پوچھا کہ لہوسوکن تک کا کرایہ کتنا ہے۔ اس نے رقم بتائی۔ میں نے اپنے پاس موجود رقم گنی تو معلوم ہوا کہ ایک پیسہ کم ہے۔ اس خیال سے کہ کسی کو علم نہ ہو کہ احمدی مبلغ کے پاس کرایہ بھی پورا نہیں میں نے کلرک سے پھر پوچھا کہ لہوسوکن سے ورلے اسٹیشن کا کیا کرایہ ہے۔ اس نے بتایا کہ دس پیسے کم۔ میں نے رقم ادا کی اور ٹکٹ خرید لیا اور شکر کیا کہ ۹ پیسے کھانے کے لئے بچ گئے۔

اتنے میں حکومت کا آدمی آگے بڑھا اور کہنے لگا۔ آپ تو لہوسوکن جا رہے تھے آپ نے ورلے سٹیشن کا ٹکٹ کیوں لیا ہے!! ہم آپ کی حفاظت کا ذمہ نہیں لے سکتے۔ میں خاموش رہا اور اپنے رب سے دعا کرنے لگا کہ اے اللہ در اصل تو ہی ذمہ دار تو ہی میرا حافظ و ناصر ہے انسان کی کیا طاقت ہے کہ ذمہ دار بن سکے اور کسی کی حفاظت کر سکے۔ آخر گاڑی اس اسٹیشن پر پہنچی جہاں کا ٹکٹ تھا۔ میں گاڑی سے اترا ہی تھا کہ اسی راجا کے دو سپاہی میرے پاس پہنچے اور کہا کہ آپ کو راجہ صاحب نے اپنے پاس حاضر ہونے کا حکم دیا ہے۔ میں ان کے ساتھ ہو لیا۔ میں دعا کر نا جا رہا تھا کہ اے میرے مولا اس وقت میں بے بس، اور بے کس ہوں تیرے سوا میرا کوئی نہیں، میں تیرے ہی آستانہ پر جھکتا ہوں اور تیری ہی مدد کا طلب گار ہوں۔

واضح ہو کہ یہ وہی راجا تھا جس نے مجھے لہوسوکن سے نکلنے کا حکم دیا تھا اس نے خیال کیا کہ میں اسے چڑانے کے لئے وہاں اترا ہوں۔ ان راجوں کے لئے کسی کو قتل کروا دینا معمولی بات تھی۔ راجا صاحب کے پاس کوئی اور آدمی تھا۔ اس لئے مجھے پولیس نے ویٹنگ روم میں بٹھا دیا اور کہا کہ ذرا ٹھہرو وہ آدمی باہر آ جائے تو پھر تمہیں حاضر کیا جائے گا۔ میں ویٹنگ روم میں بیٹھا ہی تھا کہ ایک اور راجا صاحب

مع اپنی اہلیہ کے آگئے۔ میرے لئے گویا فرشتۂ رحمت آپہنچا کیونکہ ان کو میں پہلے تبلیغ کرچکا تھا اور وہ مجھ سے بے تکلف ہوچکے تھے آتے ہی مجھے دیکھ کر السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہا اور پوچھا کہ آپ یہاں کیسے آگئے؟ میں نے بالاختصار انہیں بتایا کہ میں دراصل لہوسوکن جانا چاہتا ہوں کسی مجبوری سے یہاں اترا ہوں اور یہاں کے راجہ صاحب نے مجھے بلالیا ہے، وہ کہنے لگے میں بھی لہوسوکن کی طرف جارہا ہوں آپ میرے ساتھ میری کار میں بیٹھ کر لہوسوکن تک چلے چلیں۔ میں نے کہا بہت اچھا۔ اس کے بعد وہ اندر گئے۔ اور چند منٹ کے بعد باہر آکر مجھے کہنے لگے کہ آئیے میرے ساتھ کار میں بیٹھ جائیے اور چلیئے۔ میں نے کہا ابھی راجا صاحب سے ملنا ہے۔ پولیس نے بھی کہا کہ انہیں راجا صاحب کے پاس حاضر ہونا ضروری ہے۔

ان راجہ صاحب نے کہا کہ میں نے راجہ صاحب سے مولوی محمد صادق صاحب کے متعلق بات کرلی ہے۔ اب انہیں حاضر ہونے کی ضرورت نہیں چنانچہ پولیس نے اندر جاکر راجہ صاحب سے پوچھا اور باہر آکر مجھے جانے کی اجازت دے دی۔ میں راجہ صاحب کے ساتھ ان کی کار میں روانہ ہوکر مغرب سے کچھ پہلے لہوسوکن پہنچ گیا۔ اس وقت بہت سے لوگوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ ایک راجہ صاحب نے مجھے یہاں سے نکل جانے کا حکم دیا تو دوسرے راجہ صاحب مجھے خود اپنی کار میں بٹھا کر پھر لہوسوکن لے آئے۔

ان راجہ صاحب نے مجھے بتایا کہ وہ راجہ صاحب آپ پر بہت ناراض تھے مگر میں نے ان کے غصے کو ٹھنڈا کردیا اور بتایا کہ مولوی محمد صادق صاحب کسی کو چڑانے والے نہیں وہ اسلام کے مبلغ ہیں عیسائیوں وغیرہ غیر مذاہب کا مقابلہ کرتے ہیں۔

اس طرح اللہ تعالیٰ نے میرے کھانے کا بھی انتظام کردیا اور پھر مجھے باعزت وہاں لے گیا اور آخر بحفاظت مجھے واپس لایا۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک۔

دوسرا واقعہ

۱۰ مارچ ۱۹۴۲ء تک جاپان سارے انڈونیشیا پر مسلط ہوگیا۔ اور اپنی من مانی کرنے لگا۔ ہزارہا آدمیوں کو اس نے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ کسی کے متعلق شکایت پہنچ جائے تو یہی اس کے لئے قتل کا بہانہ بن جاتا نہ کوئی تفتیش ہوتی نہ تحقیقات نہ فیصلہ سنایا جاتا۔ بلکہ عموماً اسے سنانا بھی ضروری نہ سمجھا جاتا۔ فوراً نافذ ہی کردیا جاتا، میرے متعلق بھی جاپانی حکومت نے قتل کا فیصلہ کیا۔ اور خبر دینے والے نے مجھے بتایا کہ اس کی ڈاڈ

وجوہ ہیں :-

۱- تم انگریزی حکومت کے مدّاح ہو۔

۲- تم جاپان کی جنگ کو دوسرے علماء کی طرح جہاد فی سبیل اللہ قرار نہیں دیتے ،

خبر دینے والے نے مجھ سے اور جنرل سیکرٹری طاہر سوتن جہارا جی سے عہد لیا تھا کہ یہ بات کسی کو نہ بتائی جائے گی۔ چنانچہ میں خاموش رہا۔ البتہ میں نے جماعت میں تحریک کی کہ تہجد کی نماز ادا کرنے کا التزام کیا جائے اور جو خواب، کشف، یا نظارہ کسی کو نظر آئے مجھے بتایا جائے۔ اس تحریک کے بعد میں خود ہمہ تن دعا بن گیا۔ ہر آن اپنے مولیٰ پر نظر تھی۔ خوب یاد ہے کہ چوتھی رات تہجد کی نماز کے بعد نماز فجر سے پہلے جب میں ذرا لیٹ گیا تو مجھے ایک دیوار پر لکھا دکھائی دیا کہ "نبی دانیال کی کتاب کی پانچویں فصل پڑھو" نماز فجر کے لئے اٹھا دوستوں کو جو حاضر تھے۔ اپنی خواب سے مطلع کیا ہے۔ نبی دانیل کی کتاب کی پانچویں فصل دیکھی۔ اس میں لکھا تھا کہ بخت نصر کے بعد اس کا بیٹا بلشضر بادشاہ ہوا۔ اس نے خواب میں دیکھا کہ "کسی آدمی کے ہاتھ کی انگلیاں ظاہر ہوئیں۔ اور انہوں نے شمعدان کے مقابل بادشاہی محل کی دیوار کے گچ پر لکھا اور بادشاہ نے ہاتھ کا وہ حصہ جو لکھتا تھا دیکھا۔ تب بادشاہ کا چہرہ متغیر ہوا۔ اور اس کے اندیشوں نے اسے گھبرایا۔ . . . . اور . . . . بادشاہ نے بڑی آواز سے چلّا کر فرمایا۔ کہ نجومیوں۔ کسدیوں اور فالگیروں کو حاضر کریں۔ بادشاہ نے بابل کے حکماء کو یہ کہہ کر فرمایا کہ جو کوئی اس لکھے کو پڑھے اور اس کا مضمون مجھ سے بیان کرے سو ارغوانی خلعت پائے گا۔ اور اس کی گردن میں سونے کی زنجیر ڈالی جائے گی۔ اور وہ مملکت میں تیسرے درجہ کا حاکم ہوگا۔ تب بادشاہ کے سارے حکماء حاضر ہوئے۔ پر اس لکھے کو پڑھ نہ سکے اور نہ بادشاہ پر اس کا مضمون ظاہر کر سکے۔ آخر دانی ایل بادشاہ کے حضور حاضر کیا گیا۔ اور اس نے کہا کہ اے بادشاہ! اس (قادر خدا) کی طرف سے اس ہاتھ کا سرا بھیجا گیا اور یہ نوشتہ لکھا گیا۔ اور وہ نوشتہ جو لکھا گیا سو یہ ہے "منے منے تقیل او فرسین" اور لفظ "منے" کے یہ معنے ہیں کہ خدا نے تیری مملکت کا حساب کیا اور اسے تمام کر ڈالا۔ "تقیل" کے یہ معنے ہیں کہ تو ترازو میں تولا گیا اور کم نکلا۔ فریسن کے یہ معنے ہیں کہ تیری سلطنت منقسم ہوئی اور مادیوں اور فارسیوں کو دی گئی۔ بلشضر نے حکم کیا اور دانی ایل کو ارغوانی خلعت پہنایا گیا۔

اور جس دن یہ تعبیر بتائی گئی اسی رات بلشضر قتل ہوا اور دارا مادی نے ۶۲ برس کی عمر میں مملکت لے لی"

یہ مضمون ہے جو کتاب دانیل کی پانچویں فصل میں ہے۔ یہ مضمون بالوضاحت بتا رہا تھا کہ جاپانی حکومت کا بھی وہی حشر ہوگا جو بلشضر حکومت کا ہوا۔ میرا یہ خواب اپریل ۱۹۴۵ء کے آخر یا مئی ۱۹۴۵ء کے ابتداء کا ہے اور اس وقت کئی سکھ اور ہندو دوستوں کو یہ خواب سنا دیا گیا تھا چنانچہ اسی سال ۱۴ اگست

کو ناگاساکی اور ہیروشیما پر ایٹم بم برسائے گئے اور جاپانی حکومت کا تختہ الٹ دیا گیا۔

انہی دنوں جاپانی حکومت کے کاغذات میں سے ایک خط نکلا جس میں ۲۳/۲۴ اگست کی رات ۶۵ آدمیوں کے قتل کا فیصلہ درج تھا اور سر فہرست خاکسار کا نام تھا۔ گویا اس فیصلہ کے نافذ ہونے میں صرف ایک ہفتہ عشرہ باقی تھا کہ خدائے قادر وقیوم نے جو اپنے عاجز بندوں کی دعاؤں کو سنتا ہے جاپانی حکومت کو تباہ کر دیا۔ اور قبل اس کے کہ وہ خدا کے اس عاجز بندے پر ہاتھ ڈالیں اللہ نے اس کے ہاتھوں کیا تمام اعضاء کو شل کر کے رکھ دیا۔ فالحمد للہ علی ذالک۔

خوب یاد رکھئے کہ یہ جو کچھ ہوا وہ میری کسی ذاتی خوبی کی وجہ سے نہیں ہوا۔ بلکہ یہ جو کچھ ہوا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی سچائی کا نشان دکھانے کے لئے ہوا۔ کیونکہ میں اسی پیارے کی پیروی کرنے کی وجہ سے مجرم گردانا جا رہا تھا۔

غرض جب یہ راز فاش ہوا تو ہانگ کانگ میں ایک نوجوان عالم نے جو درا صل سورت ہندوستان کے رہنے والے تھے مبارکباد دی اور کہا کہ اللہ تعالےٰ نے آپ کو اپنے فضل و کرم سے بچا لیا اور آپ کے دشمن کو اپنے مقصد میں ناکام و نامراد کر دیا۔ انّ فی ذالک لعبرۃ لّمن یّخشٰی

آخر میں اپنے دوستوں سے صرف ایک بات کہنا چاہتا ہوں وہ یہ کہ جب ہمارے سامنے ہزاروں مثالیں موجود ہیں جو اس بات کا یقینی ثبوت ہیں کہ اللہ تعالےٰ اپنے بندے کی دعا کو سنتا ہے تو کیوں نہ ہم خود بھی اس کے آستانہ پر جھکیں دعائیں کریں اور دیکھیں کہ وہ کیسے ہماری دعاؤں کو سنتا ہے اور ہمیں اپنا قرب بخشتا ہے اور ہمیں اپنی رحمتوں اور افضال سے نوازتا ہے اور ہم سے وہ احسان کا سلوک کرتا ہے جس کا ہمیں خیال تک بھی نہیں ہوتا۔ مبارک ہیں وہ جو اس دروازے سے داخل ہوں اور اپنے رب سے مل جائیں۔ حتیٰ کہ وہ اس سے پیار کریں اور وہ ان سے پیار کرے۔

٭

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:-

"جیسا اثر دعا میں ہے ویسا اور کسی شے میں نہیں ہے" (ملفوظات جلد ۸ صفحہ ۳۶)

تحریکِ جدید ہم سے کیا چاہتی ہے؟

(مکرم چوہدری شبیر احمد صاحب نائب قائد اصلاح و ارشاد مجلس مرکزیہ)

آج سے تبیس ۳۲ سال پہلے کی بات ہے کہ جماعت احمدیہ مخالفت کے ایک خطرناک طوفان میں گھری ہوئی تھی اس وقت کی غیر مسلم حکومت کے بعض ارباب اختیار بھی اس چھوٹی سی جماعت کو مٹانے کے درپے تھے۔ پھر عوام کا تو کہنا ہی کیا ان کے کیمپوں سے بھی اس قسم کی تحدّی آمیز آوازیں بلند ہو رہی تھیں:۔

"مرزائیت کے مقابلہ کے لئے بہت سے لوگ اٹھے مگر خدا کو یہی منظور تھا کہ یہ میرے ہاتھوں سے تباہ ہو۔" (سوانح بخاری)

اِن حالات میں تحریک جدید کی بنیاد ۱۹۳۴ء میں ہمارے محبوب امام حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقدس ہاتھوں اللہ تعالیٰ کی وحی خفی کے تحت رکھی گئی۔ جماعت کو نہ صرف ملک میں ہر قسم کے فتنوں سے محفوظ رکھنے کا بلکہ اُسے اکنافِ عالم میں فریضۂ تبلیغ اسلام کے لئے تیار کرنے کا ایک عظیم الشان لائحہ عمل نافذ کیا گیا جسے ہماری جماعت میں مطالبات تحریک جدید کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس تحریک کا تعارف کراتے ہوئے سیدنا حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:۔

"تحریک جدید دراصل اسلام کے احیاء کا نام ہے، جدید وہ صرف ان معنوں میں ہے کہ دنیا اس سے ناواقف ہو گئی تھی۔ ورنہ درحقیقت وہ تحریک قدیم ہی ہے۔"

(مطالبات صـ۳)

تحریک جدید کے اس اجمالی تعارف اور پس منظر کے سمجھنے کے بعد ہر مخلص احمدی کے لئے یہ امر روزِ روشن کی طرح واضح ہو جاتا ہے کہ "تحریک جدید ہم سے کیا چاہتی ہے؟" تحریک جدید ہم سے ایک

عظیم الشان مجاہدہ چاہتا ہے۔ ایک مجاہدہ جو ہمارے اموال سے بھی متعلق ہے اور ہماری جانوں سے بھی۔ ایک مجاہدہ جو ہمارے اوقات سے بھی متعلق ہے اور ہماری عزتوں سے بھی۔ ایسا مجاہدہ جو ہماری روحانیت کو بھی صیقل کر دے اور ہماری دنیوی حالت کو بھی سنوار دے۔ چنانچہ اس عظیم الشان تحریک کے بانی سیدنا حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کے قیام کی غرض بیان کرتے ہوئے فرمایا:۔

"اللہ تعالیٰ نے ہماری جماعت کو اس لئے قائم کیا ہے کہ وہ اخلاقِ حسنہ دنیا میں قائم کرے جو آج معدوم نظر آتے ہیں۔ یہی غرض میری تحریک جدید کے قیام سے تھی۔ چنانچہ تحریک جدید کے جو اصول مقرر کئے گئے تھے۔ ان میں جہاں یہ امر مد نظر رکھا گیا تھا کہ جماعت اپنے حالات کو بدلنے کی کوشش کرے وہاں اس امر کو بھی مدّنظر رکھا گیا تھا کہ ان اصولوں پر عمل کرنے کے نتیجہ میں جماعت کو اپنی ذمہ داری کی ادائیگی کے زیادہ سامان میسر آسکیں اسی تحریک جدید کے اصول میں اس امر کو بھی مدّنظر رکھا گیا تھا کہ امراء اور غرباء میں جو خلیج حائل ہے اور جس کی بناء پر امراء میں کبر اور خود پسندی اندر ڈالی اور احسان جتانے کا مادہ پایا جاتا ہے اس کو دُور کیا جائے۔ ان تمام مطالبات کا مقصد محض یہ تھا کہ جماعت اپنے حالات کے مطابق خرچ کرنے کی عادت ڈالے اور تباہی کے گڑھے میں گرنے سے محفوظ رہے۔ اسی طرح امراء اور غرباء میں جو تفاوت پایا جاتا ہے وہ روز بروز کم ہوتا چلا جائے"

(مطالبات ص۱۷۳)

حضور رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ان ارشادات میں جن مطالبات کی طرف اشارہ ہے وہ ابتدائی طور پر تعداد میں انیس مطالبات تھے جن میں بعد میں حضورؓ نے آٹھ مطالبات کا اضافہ فرما کر انہیں ستائیس تک پہنچا دیا۔ اس مختصر سے مضمون میں ان مطالبات پر روشنی ڈالنا تو درکنار ان کے سرسری تذکرہ کی گنجائش بھی نہیں لیکن ہمارے محسن آقا رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مختلف موقعوں پر ان کا بڑا حسین خلاصہ بیان فرمایا ہے۔ چنانچہ ان میں سے ایک موقعہ پر حضورؓ نے فرمایا:۔

"تحریک جدید کو اس لئے جاری کیا گیا ہے کہ اس کے ذریعہ ہمارے پاس ایسی رقم جمع ہو جائے جس سے خدا تعالیٰ کے نام کو دنیا کے کناروں تک آسانی اور سہولت کے ساتھ پہنچایا جا سکے۔ تحریک جدید کو اس لئے جاری کیا گیا ہے تاکہ کچھ افراد ایسے میسّر آجائیں جو اپنے آپ کو خدا تعالیٰ کے دین کی اشاعت کے لئے وقف کر دیں اور اپنی عمریں اسی کام میں لگا دیں۔ تحریک جدید کو اس لئے جاری کیا گیا ہے تاکہ وہ عزم

استقلال ہماری جماعت میں پیدا ہو جو کام کرنے والی جماعتوں کے اندر پیدا ہونا ضروری ہوتا ہے "

گویا تحریک جدید ہمیں ایک کام کرنے والی یعنی فعال جماعت بنانے کے لئے جاری کی گئی تھی۔ تحریک جدید کے اجراء کے چند سال بعد ہی اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہمارے مخالفوں نے جماعت کی فعالی قوت کو بڑی شدت سے محسوس کیا اور جیسا کہ خدا تعالیٰ کے محبوب بندہ نے فرمایا تھا بہت جلد مخالفوں کے پاؤں کے نیچے سے زمین نکل گئی اور جماعت احمدیہ کے لئے قریباً ہر ملک کی زمین رام ہو گئی ہمارے چند گنتی کے مشن تھے جو بفضلہٖ تعالیٰ بتیس ۳۲ ممالک تک ممتد ہو گئے۔ جس منہ سے یہ تعلّی نکلی تھی کہ مرزائیت میرے ہاتھوں سے تباہ ہو گی وہ نسیاً منسیاً ہو گیا۔ لیکن بفضلہٖ تعالیٰ احمدیت کا خدائی قافلہ پہلے سے کہیں زیادہ شان و شوکت کے ساتھ رواں دواں نظر آتا ہے ذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء۔

تحریک جدید کی یہ عظیم الشان فتح پھر ہمیں اس طرف توجہ دلاتی ہے کہ کیا ہم اللہ تعالیٰ کے غیر معمولی فضلوں اور احسانوں کو دیکھ کر ان تقاضوں کو پورا کر رہے ہیں جن کا تحریک جدید ہم سے مطالبہ کرتی ہے !

آئیے ہم پھر حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے الفاظ میں ہی معلوم کریں کہ وہ تقاضے کیا رنگ رکھتے ہیں۔ فرمایا :۔

"پس جہاں تحریک جدید کی غرض جماعت احمدیہ کے اندر سادہ زندگی کی روح پیدا کرنا اور اسلامی تمدن کا صحیح شعور پیدا کرنا ہے وہاں تحریک جدید کی ایک اہم ترین غرض یہ بھی ہے کہ سب قوموں کو تنور کے پاس لا کر بٹھا دیا جائے تاکہ ضرورت پر اس میں سے ایسے لوگ پیدا ہوتے جائیں جو حکم کے ملتے ہی اس تنور میں کود جائیں اور اپنی جان کو سلسلہ اور اسلام کے لئے قربان کر دیں "

جماعت میں ایسا فعال جذبہ پیدا کرنے کے لئے ضروری ہے کہ تحریک جدید کے تقاضے بار بار جماعت کے سامنے پیش کئے جاتے رہیں کیونکہ خدا تعالیٰ کی توحید کے قیام اور اس کے حبیب سرورِ کائنات حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و صداقت ساری دنیا سے منوانے کے لئے ہمیں ایک ہمہ گیر مجاہدہ کرنے کی ضرورت ہے۔ اس مجاہدہ کی تفصیل ایک نئے انداز میں سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے خطبہ جمعہ فرمودہ ۲۸/۱۰/۶۶ میں بیان

فرمائی ہے۔ یہ مجاہدہ بڑے استقلال ہمت اور اخلاص کو چاہتا ہے۔ پس تحریک جدید ہم سے جو کچھ چاہتی ہے وہ تؤمنون باللہ و رسولہ و تجاھدون فی سبیل اللہ باموالکم و انفسکم کے ارشاد خداوندی کیا نہایت جامع اور حکیمانہ انداز میں بیان کر دیا گیا ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اپنے ماحول میں ان امور کو بار بار دہراتے رہیں۔ جیسا کہ حضرت المصلح الموعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:۔

"یہ باتیں ایسی ہیں کہ اٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے سوتے جاگتے اور کھاتے پیتے ہر وقت ہر لمحہ اپنی بیویوں اپنے بچوں، اپنے دوستوں اپنے عزیزوں اور اپنے رشتہ داروں کے کانوں میں ڈالنی چاہئیں، اور انہیں ان باتوں پر راسخ اور مضبوط کرنا چاہیئے کہ ہماری جماعت خدا تعالیٰ کی قائم کردہ جماعت ہے اور خدا تعالیٰ کی قائم کردہ جماعتیں مشکلات کے بغیر ترقی نہیں کرتیں۔ پس ان باتوں کو دہراؤ اور دہراتے چلے جاؤ یہاں تک کہ یہ باتیں تمہارا ورد اور وظیفہ بن جائیں ایسا اگر ایک چھوٹے سے بچے سے بھی سوال کیا جائے کہ احمدیت کی ترقی کا کیا ذریعہ ہے تو وہ کہہ اٹھے کہ ہم بغیر قربانی اور جان دینے کے ترقی نہیں کر سکتے اور میں اس کے لئے تیار ہوں۔ ایک عورت سے اگر پوچھا جائے تو وہ بھی یہی جواب دے اور اگر ایک مرد سے پوچھا جائے تو وہ بھی یہی جواب دے۔ غرض ہر شخص کے ذہن میں یہ باتیں ڈالی جائیں اور اس کے ماتحت جماعت میں ایسا ماحول اور بیداری پیدا کی جائے کہ قربانیاں کرنا کوئی مشکل کام نہ رہے۔"

اللھم انصر من نصر دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم و اجعلنا منھم

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:۔

"میں جو بار بار تاکید کرتا ہوں کہ خدا تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرو یہ خدا تعالیٰ کے حکم سے ہے۔"

(ملفوظات جلد ۸ صفحہ ۳۹۳)

مغرب میں الوہیتِ مسیح کا عقیدہ اپنی موت آپ مر رہا ہے

"مسیحی دہریت" کی تحریک اور اس کا قدرتی ردِّ عمل

ماہنامہ 'انصار اللہ' کے جون ۱۹۶۶ء کے شمارہ میں ہم نے مشہور امریکی رسالہ 'نیوزویک' بابت ۱۱ اپریل ۱۹۶۶ء کے حوالہ سے اس امر پر روشنی ڈالی تھی کہ مغرب کے عیسائی ممالک میں مروجہ عیسائی عقائد (جن میں تثلیث، الوہیتِ مسیح، مسیح کی صلیبی موت اور کفارہ کو بنیادی اہمیت حاصل ہے) ایک جدید قسم کی دہریت کو فروغ دینے کا موجب ثابت ہو رہے ہیں۔ وہاں اب ایک طبقہ ایسا پیدا ہو چکا ہے جو عیسائیت کا دم بھرنے کے باوجود اپنے آپ کو دہریہ کہتا ہے۔ یہ طبقہ عیسائی عقائد کی بنیاد پر دہریت کا قائل ہے۔ اس لئے ان لوگوں کا دعویٰ یہ ہے کہ اصل عیسائی وہ خود ہیں۔ اسی لئے وہ اپنی دہریت کو "مسیحی دہریت" کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ مسیح نے اپنے آپ کو خدا کی حیثیت سے دنیا کے سامنے پیش کیا اور پھر خود ہی صلیب پر جان دے کر دنیا کو باور کرا دیا کہ خدا مر گیا۔ صلیب پر جان دینے سے مسیح کی مراد یہ تھی کہ لوگوں پر یہ حقیقت منکشف ہو جائے کہ اوّل تو خدا تھا ہی نہیں اور اگر بفرضِ محال وہ تھا بھی تو اب موت وارد ہونے سے وہ کالعدم ہو چکا ہے۔ لہٰذا خدا کی موت کو ایک تاریخی واقعہ کے طور پر تسلیم کر کے آئندہ اس کے وجود سے انکار کر دینا چاہیئے۔ ان مسیحی دہریوں کے اعتقاد کے بموجب چرچ کی یہ محض خوش فہمی ہے کہ مسیح مرنے کے بعد دوبارہ جی اٹھا تھا۔ دلیل وہ یہ دیتے ہیں کہ جب خدا نے مسیح کے وجود میں تجسّم اختیار کیا تو وہ ایک کمزور و ناتواں اور مجبور و معذور ہستی کا روپ دھارنے کے بعد وراء الوراء اور قادرِ مطلق نہ رہا۔ اور جب وہ قادرِ مطلق نہ

رہا تو پھر ایسے مجبور اور بے بس خدا کے لئے قطعاً ممکن نہ تھا کہ وہ دوبارہ جی اٹھتا۔ لہذا دوبارہ جی اٹھنے کا سارا واقعہ ایک ڈھونگ سے زیادہ کچھ نہیں ہے۔

اس جدید رجحان کی وجہ سے جس کے زیر اثر مغرب کے عیسائی ممالک میں خود عیسائیت کے نام پر دہریت پھل پھول رہی ہے وہاں کا چرچ بہت پریشان ہے اور اسے لینے کے دینے پڑے ہوئے ہیں۔ تثلیث، الوہیت مسیح، کفارہ، مسیح کی صلیبی موت اور اس کے دوبارہ جی اٹھنے کے عقائد کے پرچار سے زیادہ آج کل اسے یہ فکر لاحق ہے کہ لوگوں کو عیسائیت کے نام پہ دہریت کی اس بڑھتی ہوئی رَو سے کس طرح بچایا جائے اور کیونکر انہیں خدا کی ہستی کا قائل بنایا جائے۔ چنانچہ آج کل مغرب میں مسیح کو خدا ثابت کرنے کی بجائے براہ راست خدا کی ہستی کے دلائل پہ زیادہ زور دیا جا رہا ہے۔ اہل کلیسا دیکھ رہے ہیں کہ مسیح کی مزعومہ الوہیت پہ جتنا زیادہ زور دیا جائے گا اتنا ہی مسیح کے نام پہ پھیلنے والی دہریت کو تقویت ملے گی۔ اس کا ایک تازہ ثبوت وہ مضمون ہے جو "ریڈرز ڈائجسٹ" بابت نومبر ۶۶ء میں "WHOSE GOD IS DEAD" (کن لوگوں کا خدا مر چکا ہے) کے زیر عنوان شائع ہوا ہے۔ یہ مضمون "مسیحی دہریت" کی تحریک سے متعلق امریکہ کے نامی گرامی پادری ڈاکٹر ہیری امرسن فاس ڈک (DR. HARRY EMERSON FOSDICK) کے تاثرات پر مشتمل ہے۔

ڈاکٹر فاس ڈک کا شمار امریکہ کے نہایت فاضل اور بزرگ پادریوں میں ہوتا ہے۔ ملک بھر میں انہیں بہت عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ ان کی عمر اس وقت ۸۸ سال ہے۔ "ریڈرز ڈائجسٹ" کے مضمون نگار مسٹر نارڈی ریڈر کیمپین (MR. NARDI REEDER CAMPION) کا بیان ہے کہ "اس صدی کے دوران امریکہ میں لوگوں کی روحانی زندگی پر شاید ہی کسی فرد واحد نے اتنا اثر ڈالا ہو جتنا کہ ڈاکٹر فاس ڈک نے ڈالا ہے"۔ مسٹر کیمپین نے پچھلے دنوں ان سے ملاقات کر کے "مسیحی دہریت" کی تحریک کے متعلق ان کے خیالات معلوم کئے اور پھر انہیں ایک مضمون کی شکل میں مرتب کر کے "ریڈرز ڈائجسٹ" میں شائع کرا دیا۔ ڈاکٹر فاس ڈک نے اس تحریک کی مخالفت کرتے ہوئے زور اس بات پر دیا ہے کہ وراء الوراء اور قادر مطلق خدا ہمیشہ سے زندہ ہے اور ہمیشہ زندہ رہے گا البتہ خدا ان لوگوں کا مر چکا ہے جن کا خدا کے متعلق تصور ناقص ہے۔ لطف کی بات یہ ہے کہ خدا سے متعلق لوگوں کے ناقص تصورات کے ضمن میں وہ اشارۃً عیسائیت کے پیش کردہ تصور خدا کی بھی تردید کر گئے ہیں۔ وہ اس خدا کو مردہ ثابت کرنے کے بعد جو ناقص تصورات کی پیداوار ہے قادر مطلق خدا کی ہستی

کے عقلی دلائل دیتے چلے جاتے ہیں اور کہیں بھی تثلیث، الوہیت مسیح، کفارہ اور مسیح کی صلیبی موت کا نام تک نہیں لیتے۔ ان کا یہ اندازِ گفتگو اس حقیقت کا غماز ہے کہ چرچ عقیدۂ الوہیتِ مسیح کی نامعقولیت اور اس کے انتہائی گمراہ کن اثرات سے گھبرا کر اس پر زور دینے سے گریز کی راہ اختیار کر رہا ہے اور اب درپردہ اس کوشش میں ہے کہ اس نئی قسم کی دہریت کا اثر زائل کرنے کے لئے صرف قادرِ مطلق اور وراء الوراء خدا کی ہستی کے دلائل پر زور دیا جائے نہ کہ مسیح کی مزعومہ الوہیت پر۔ چنانچہ ذیل میں ہم ڈاکٹر فاس ڈِک کے تاثرات کے بعض اقتباسات درج کرتے ہیں جن میں انہوں نے خدا کے متعلق ناقص تصورات کی تردید کی ہے

ملاقات کے دوران جب مسٹر کیمپئین نے "مسیحی دہریت" کی تحریک پر تبصرہ کرنے کے لئے کہا تو ڈاکٹر فاس ڈِک نے فرمایا :۔

"دین کے نام پر پھیلائے جانے والے اس نظریہ سے کہ ——— "خدا مر چکا ہے" ——— میں کلّی طور پر عدمِ اتفاق کا اظہار کرتا ہوں۔ یہ ایک کمزور سی تحریک ہے اس کے پیچھے صرف دو یا تین سرکردہ شخصیتیں ہیں اور چند ایک ان کے پیرو ہیں۔ اس نظریہ کی طرف لوگوں کے حد سے زیادہ متوجہ ہونے کی ایک وجہ ہے اور وہ یہ کہ ڈرامائی انداز کا یہ جملہ کہ ——— "خدا مر گیا" ایک گونہ حیرت و استعجاب کا حامل ہے۔ حیرت و استعجاب کے اس عنصر کو کام میں لا کر عوامی سطح پر اس سے خوب فائدہ اٹھانے کی کوشش کی گئی ہے۔ اُدھر غضب یہ ہے کہ اشتہار بازی کی موجودہ دنیا میں ہم خیالات کی بجائے "نعرے" قبول کرنے کے زیادہ عادی بن چکے ہیں"

اس پر مسٹر کیمپئین نے کہا لیکن سوال یہ ہے کہ اس قسم کے انتہائی خطرناک نعرے کا اتنے وسیع پیمانہ پر کیوں خیر مقدم کیا گیا؟ یہ سوال سن کر ڈاکٹر فاس ڈِک نے گہری سوچ کے انداز میں اپنی ٹھوڑی کھجاتے ہوئے فرمایا :۔

"شاید اس لئے کہ خدا کے متعلق بہت سے نظریے اور تصورات ایسے ہیں جنہیں مرنا ہی چاہیئے۔"

اس پر مزید سوال پیدا ہوا کہ خدا کے متعلق کون کون سے نظریے اور تصورات موت سے ہم آغوش ہونے کے قابل ہیں؟ اس کے جواب میں انہوں نے جو کچھ کہا اس سے الوہیت

مسیح کی ساری عمارت دھڑام سے زمین پر آرہتی ہے۔ انہوں نے فرمایا :-

"جوں جوں انسان ترقی کر رہا ہے ہمارے لئے یہ ناگزیر ہے کہ ہم خدا کے متعلق دقیانوسی تصورات کو خیرباد کہتے چلے جائیں۔ یقیناً جاہ و جلال والا وہ بادشاہ جو سونے کے تخت پر بیٹھ کر کائنات پر حکمرانی کرتا تھا۔ اب مرچکا ہے۔ اسیطرح انسانی قدو قامت اور انسانی شکل و صورت اختیار کرنے والا خدا

(MAN- SIZE ANTHROPOMORPHIC GOD)

بھی مر گیا ہے، جو دن کو ٹھنڈے اوقات میں باغوں میں گھومتا تھا اور وہ غلاؤں کو پُر کرنے والا خدا تو بالکل ہی مرچکا ہے جس کا مصرف صرف اتنا ہی سمجھا جاتا تھا کہ خوابوں سے لے کر بادلوں کی گرج اور بجلی کی کڑک تک جو بات انسانی سمجھ اور تصرف سے بالا نظر آئے وہ اس کی طرف منسوب کر دی جائے اور اس سے زیادہ اس کے ساتھ اور کوئی واسطہ نہ رکھا جائے"

ظاہر ہے کہ ڈاکٹر فاسس ڈک نے یہ کہہ کر کہ انسانی قدو قامت اور انسانی شکل و صورت اختیار کرنے والا خدا بھی مرچکا ہے خود الوہیت مسیح کے مروجہ عیسائی عقیدہ کی بھی تردید کر دی کیونکہ مروجہ عیسائیت ایک ایسے خدا کی ہی قائل ہے جس نے مسیح کے وجود میں تجسم اختیار کر کے انسان کا روپ دھارا، باغوں میں گھومتا پھرا، اور علاقہ علاقہ کی خاک چھانتا رہا۔ ڈاکٹر فاسس ڈک جیسا نامی گرامی پادری اسیج خدا کے متعلق ایسے ناقص تصور کی تردید کرنے پر اس لئے مجبور ہے کہ مسیح کی الوہیت اور اس کی صلیبی موت کے عقیدہ کو مانتے ہوئے خود عیسائیت ہی کے نام پر پھیلنے والی دہریت کی بڑھتی ہوئی رَو کو رد کا نہیں جا سکتا۔ یہ موٹی بات ہے اس میں کسی حجت یا بحث کی گنجائش نہیں کہ اگر مسیح خدا تھا تو صلیب پر اس کے مرنے سے خدا بھی مر گیا۔ خدا کا زندہ ہونا تو صرف اور صرف اسیطرح ثابت ہوسکتا ہے کہ عیسائی دنیا الوہیتِ مسیح کے باطل عقیدہ سے توبہ کر کے مسیح کو محض ایک انسان اور خدا کا رسول تسلیم کرے اور صلیبی موت کے عقیدہ سے بھی باز آ کر اس ثابت شدہ حقیقت پر ایمان لائے کہ مسیح علیہ السلام صلیب پر مرے نہیں تھے بلکہ بیہوشی کی حالت میں صلیب پر سے زندہ اتارے گئے تھے اور بعد میں انہوں نے ایک فرستادہ حق کی حیثیت سے اپنا مشن پورا کر کے طبعی موت سے وفات پائی۔

الغرض صدیوں "الوہیت مسیح" کا ڈھنڈورہ پیٹنے کے بعد اب خود عیسائیت کے علمبردار ہی

حالات سے مجبور ہو کر مسیح کی الوہیت کا اقرار کرنے سے گریز کر رہے ہیں اور اگر وہ ایسا نہ کریں تو عیسائیت کا مُردہ ثابت ہوئے بغیر نہیں رہتا اور اس طرح دہریت کا سیلاب رو کے نہیں رک سکتا۔ یہ حالات خاص خدائی تقدیر کے ماتحت رونما ہوئے ہیں اُس خدائی تقدیر کے ماتحت جس کی اطلاع اللہ تعالیٰ سے خبر پاکر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آج سے ستر سال قبل دے دی تھی۔ لطف کی بات یہ ہے کہ ڈاکٹر فاس ڈک نے مسیحی تصورِ خدا کے متعلق "موت" کا لفظ استعمال کر کے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیشگوئی کے پورا ہونے پر مہر تصدیق ثبت کر دی ہے کیونکہ حضور علیہ السلام نے آج سے ستر سال قبل جھوٹے اور مصنوعی خداؤں کے متعلق بعینہٖ یہی لفظ استعمال کیا تھا اور فرمایا تھا کہ یہ خدا اب ضرور مریں گے اور کوئی انہیں موت کا شکار ہونے سے بچا نہیں سکے گا چنانچہ حضور علیہ السلام نے فرمایا تھا:۔

"میں ہر دم اس فکر میں ہوں کہ ہمارا اور نصاریٰ کا کسی طرح فیصلہ ہو جائے۔ میرا دل مُردہ پرستی کے فتنہ سے خون ہوتا جاتا ہے ۔ ۔ ۔ ۔ میں کبھی کا اس غم سے فنا ہو جاتا اگر میرا مولیٰ اور میرا آقا قادر و توانا مجھے تسلی نہ دیتا کہ آخر توحید کی فتح ہے۔ غیر معبود ہلاک ہوں گے اور جھوٹے خدا اپنی خدائی کے وجود سے منقطع کئے جائیں گے مریم کی معبودانہ زندگی پر موت آئے گی اور نیز اس کا بیٹا اب ضرور مرے گا۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر میں چاہوں تو مریم اور اس کے بیٹے عیسیٰ اور تمام زمین کے باشندوں کو ہلاک کر دوں۔ سو اب اس نے چاہا ہے کہ ان دونوں کی جھوٹی معبودانہ زندگی کو موت کا مزہ چکھاوے۔ سو اب دونوں مریں گے کوئی ان کو بچا نہیں سکتا۔ اور وہ تمام خراب استعدادیں بھی مریں گی جو جھوٹے خداؤں کو تسلیم کر لیتی تھیں۔ نئی زمین ہوگی اور نیا آسمان ہوگا" (اشتہار ۱۴ جنوری ۱۸۹۷ء)

کون کہہ سکتا ہے کہ یہ مہتم بالشان پیشگوئی پوری نہیں ہوئی۔ آج ہم خود اس پیشگوئی کو اپنی آنکھوں سے پورا ہوتے دیکھ رہے ہیں۔ مغرب کے عیسائی ملکوں کے حالات اس امر پر گواہ ہیں کہ اس پیشگوئی کا لفظ لفظ پورا ہو رہا ہے۔ الوہیتِ مسیح کا عقیدہ اپنی موت آپ مر رہا ہے۔ ڈاکٹر فاس ڈک ایسے نامور امریکی پادری نے یہ کہہ کر کہ "انسانی قد و قامت اور انسانی شکل و صورت اختیار کرنے والا خدا بھی مر گیا ہے" اِس امر پر مہر تصدیق ثبت کر دی ہے کہ مریم اور اس کے بیٹے مسیح کی معبودانہ زندگی پر موت وارد ہو چکی ہے۔ پھر خود "مسیحی دہریت" کی تحریک اِس امر کی آئینہ دار ہے کہ وہ خراب استعدادیں

بھی مر رہی ہیں جو جھوٹے خداؤں کو تسلیم کر لیتی تھیں۔

لیکن ابھی یہ تصویر کا ایک ہی رُخ ہے "مسیحی دہریت" کی تحریک اس بات کی ایک بین علامت ہے کہ مغرب کے عیسائی ممالک میں عیسائیت کے یکسر ناکام ہو جانے کے باعث ایک زبردست روحانی خلا پیدا ہو چکا ہے۔ اس خلاء کو حضرت بانی سلسلہ احمدیہ علیہ السلام کی پیشگوئیوں کے بموجب اسلام پُر کرے گا اور اس طرح وہاں توحید کی فتح ہو گی۔ چنانچہ حضرت بانی سلسلہ احمدیہ علیہ السلام مذکورہ بالا پیشگوئی میں آگے چل کر خدائی مقدرات کے ماتحت رونما ہونے والے تصویر کے دوسرے رُخ کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

"سچائی کا آفتاب مغرب سے چڑھے گا اور یورپ کو سچے خدا کا پتہ لگے گا اور بعد اس کے توبہ کا دروازہ بند ہو گا کیونکہ داخل ہونے والے بڑے زور سے داخل ہو جائیں گے اور وہی باقی رہ جائیں گے جن کے دل پر فطرت سے دروازے بند ہیں اور جو نُور سے نہیں بلکہ تاریکی سے محبت رکھتے ہیں۔ قریب ہے کہ سب مِلّتیں ہلاک ہوں گی مگر اسلام، اور سب حربے ٹوٹ جائیں گے مگر اسلام کا آسمانی حربہ کہ وہ نہ ٹوٹے گا اور نہ کند ہو گا جب تک دجالیت کو پاش پاش نہ کر دے۔ وہ وقت قریب ہے کہ خدا کی سچی توحید جس کو بیابانوں کے رہنے والے اور تمام تعلیموں سے غافل بھی اپنے اندر محسوس کرتے ہیں ملکوں میں پھیلے گی۔ اُس دن نہ کوئی مصنوعی کفارہ باقی رہے گا اور نہ کوئی مصنوعی خدا۔ اور خدا کا ایک ہی ہاتھ کفر کی سب تدبیروں کو باطل کر دے گا، لیکن نہ کسی تلوار سے اور نہ کسی بندوق سے بلکہ مستعد دلوں کو روشنی عطا کرنے سے اور پاک دلوں پر ایک نور اتارنے سے تب یہ باتیں جو میں کہتا ہوں سمجھ میں آئیں گی۔" (اشتہار ۱۴ جنوری ۱۸۹۷ء)

تصویر کا پہلا رُخ آج کل ہمارے سامنے ہے اور ایک دنیا مصنوعی خداؤں کو اپنی موت آپ مرتا دیکھ رہی ہے تصویر کا دوسرا رُخ بھی کہ جب مغرب میں خدا کی سچی توحید پھیلے گی دنیا کے سامنے آئے گا اور جلد آئے گا کیونکہ جیسا کہ پیشگوئی میں بتایا گیا ہے "وہ وقت اب قریب ہے" یہ خدائی تقدیر ہے جسے دنیا کی کوئی طاقت بدل نہیں سکتی۔ مستعد دلوں کو روشنی عطا کی جائے گی اور ضرور کی جائے گی۔ پاک دلوں پر نور اترے گا اور ضرور اترے گا۔ ذَالِکَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ۔

بچوں کا صفحہ :-

بادشاہ اور جالینوس!

جالینوس ایک بہت مشہور حکیم گزرا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے علاج معالجہ میں بڑی مہارت عطا کی تھی۔ بسا اوقات ایسے مریض بھی جو لاعلاج سمجھے جاتے تھے اس کے علاج سے بفضلِ خدا صحت یاب ہو جاتے تھے بادشاہ بھی اس کی لیاقت کا قائل تھا۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ایک دفعہ مجلس میں جالینوس کا ایک واقعہ سنایا۔ وہ واقعہ بہت سبق آموز ہے۔ بچوں کو وہ واقعہ ہم حضورؑ ہی کے الفاظ میں سناتے ہیں۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا:-

"کہتے ہیں جالینوس حکیم ایک بادشاہ کے پاس ملازم تھا۔ بادشاہ کی عادت تھی کہ ایسی ردّی چیزیں کھایا کرتا تھا جس سے جالینوس کو یقین تھا کہ بادشاہ کو جذام ہو جائے گا چنانچہ وہ ہمیشہ بادشاہ کو روکتا تھا۔ مگر بادشاہ باز نہ آتا تھا۔ اس سے تنگ آکر جالینوس وہاں سے بھاگ کر اپنے وطن چلا گیا۔ کچھ عرصہ کے بعد بادشاہ کے جسم پر جذام کے آثار نمودار ہوئے۔ تب بادشاہ نے اپنی غلطی کو سمجھا۔ اس نے انکسار اختیار کیا۔ اپنے بیٹے کو تخت پر بٹھایا اور خود فقیرانہ لباس پہن کر وہاں سے چل نکلا اور جالینوس کے پاس پہنچا۔ جالینوس نے اس کو پہچان لیا۔ بادشاہ کی تواضع اسے پسند آئی پورے زور سے اس کے علاج میں مصروف ہوا۔ تب خدا تعالیٰ نے بادشاہ کو شفا دی۔"

(ملفوظات جلد نہم صفحہ ۲۸۶، ۲۸۷)

بادشاہ اور جالینوس کے اس واقعہ سے ہمیں ایک بہت بڑا سبق ملتا ہے۔ وہ سبق یہ ہے کہ تکبر بہت ہی خطرناک برائی ہے۔ بادشاہ میں تکبر پایا جاتا تھا۔ جبھی تو وہ حکیم جالینوس کی نصیحت نہیں مانتا تھا۔ آخر اسے اس کی سزا بھگتنی پڑی۔ جذام جیسے موذی مرض میں مبتلا ہو گیا۔ اگر بادشاہ تکبر نہ کرتا اور جالینوس کی بات مان لیتا تو ایسے خطرناک مرض میں مبتلا نہ ہوتا۔ آخر

بادشاہ نے عاجزی اور انکسار اختیار کیا۔ فقیرانہ لباس پہن کر خود جالینوس کے پاس گیا۔ خدا تعالیٰ کو اس کی یہ عاجزی پسند آئی۔ اللہ تعالیٰ نے جالینوس کے دل میں رحم ڈالا۔ اس نے بہت دل لگا کر بادشاہ کا علاج کیا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے وہ صحت یاب ہو گیا۔

پس بڑوں کی نصیحت پر عمل نہ کرنا بھی ایک قسم کا تکبّر ہے جس سے بچّوں کو بچنا چاہیئے۔ بلکہ عاجزی اور انکسار اختیار کرنا چاہیئے۔ جو عاجزی اور انکسار اختیار کرتے ہیں اللہ تعالیٰ انہیں ہی کامیاب کرتا ہے جو تکبر کرتے ہیں وہ کبھی اپنی مراد کو نہیں پاتے۔

ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ بچوں کو تکبر سے بچنے اور اس کے عاجز بندے بننے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین اللّٰھم آمین۔

تکبّر سے نہیں ملتا وہ دلدار

(حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام)

تکبر سے نہیں ملتا وہ دلدار
ملے جو خاک سے اس کو ملے یار

کوئی اس پاک سے جو دل لگاوے
کرے پاک آپ کو تب اس کو پاوے

پسند آتی ہے اُس کو خاکساری
تذلّل ہے رہِ درگاہِ باری

عجب ناداں ہے وہ مغرور و گمراہ
کہ اپنے نفس کو چھوڑا ہے بے راہ

بدی پر غیر کی ہر دم نظر ہے
مگر اپنی بدی سے بے خبر ہے

(درثمین)

—○—

مرکزی اعلانات

جملہ ناظمینِ اضلاع اور عہدیدارانِ مجالس کی خاص توجہ کیلئے

تمام ناظمین اضلاع کی توجہ اس طرف مبذول کرائی جاتی ہے کہ وہ اپنے حلقہ کی مجالس کا جائزہ لیں کہ ان کے حلقہ میں کوئی ایسی مجلس تو نہیں جس کے ذمہ انصاراللہ کے چندوں کا بقایا ہو۔ مالی سال کے ختم ہونے میں اب صرف دو ہفتے باقی ہیں اس لئے مہربانی فرما کر پوری کوشش فرمائیں تاکہ مالی سال کے ختم ہونے سے پہلے آپ کے حلقہ کی ہر مجلس کا بجٹ سو فیصدی پورا ہو جائے۔

اسیطرح جملہ مجالس انصاراللہ کے عہدیداران کی خدمت میں بھی گزارش ہے کہ ابھی بعض مجالس نے اپنا بجٹ پورا نہیں کیا اس لئے فوری توجہ فرمائیں اور اپنی مجلس میں کسی صاحب کو بقایادار نہ رہنے دیں جزاکم اللہ احسن الجزاء۔ (قائد مال انصاراللہ مرکزیہ)

تربیتی امور کی اہمیت

کسی قوم اور جماعت کی عمدہ تربیت اس کی ترقی کی ضامن ہوتی ہے۔ اسی غرض سے ہفتہ تربیت منایا گیا تھا۔ اس ہفتہ کے دوران اولاد کی اچھی تربیت۔ خلافت سے وابستگی اور نظام جماعت کی پابندی۔ مساجد کے آداب۔ قرض کی بروقت ادائیگی، اور بیویوں سے حسنِ سلوک وغیرہ مضامین بیان کرکے اراکین کو ان سب امور پر کاربند ہونے کی تلقین کی گئی تھی۔ یہ سب امور نہایت اہم ہیں اور ان سے دینی و دنیوی فلاح وابستہ ہے احباب جائزہ لیتے رہیں کہ وہ کس حد تک ان پر عمل پیرا اور کاربند ہیں۔ یہ جائزہ انشاءاللہ بہت مفید ثابت ہوگا اور اس کے نتیجہ میں اعمال صالحہ بجالانے کی توفیق ملے گی۔ اللہ تعالےٰ سب احباب کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

(قائد تربیت)

امتحان انصار اللہ

انصار اللہ کی اطلاع کے لئے اعلان کیا جاتا ہے کہ قیادتِ تعلیم کے ماتحت آئندہ امتحان ۲۳ دسمبر کو ربوہ میں اور ۲۵ دسمبر کو بیرون جات میں منعقد ہوگا۔ نصاب درج ذیل ہے۔ احباب زیادہ سے زیادہ تعداد میں اس میں شمولیت فرمائیں

نصاب معیار اوّل :۔ ترجمہ پارہ ہفتم نصف آخر۔

معیار دوم :۔ قاعدہ یسرنا القرآن اور قرآن مجید ناظرہ۔ (حسب قدر جانتے ہوں)

(قائد تعلیم)

ایثار اور رمضان المبارک

قربانی و ایثار کا جذبہ ہر ملک اور ہر قوم میں پایا جاتا ہے مگر اس سلسلہ میں ہمارا معیار سب سے اونچا ہونا چاہیئے۔ ورنہ دلوں کی زمین میں نیک تغیر پیدا کرنے کے لئے ہمارے پاس اور کون سے ظاہری ذرائع یا سامان ہیں؟ مگر قربانی اور ایثار کی یہ غیر معمولی روح محض اللہ تعالیٰ کے خاص فضل سے ہی پیدا ہو سکتی ہے۔ خدا تعالیٰ کے فضل کو جذب کرنے کے لئے بھی خاص دن یا مواقع ہوا کرتے ہیں۔ رمضان المبارک اس مقصد کے حصول کے لئے ایک بہترین موقع ہے کیونکہ یہ مبارک ایام اپنے اندر ایثار کا بہترین سبق بھی رکھتے ہیں۔ اس لئے یہ ہماری بڑی ہی خوش بختی ہوگی کہ ہم پوری کوشش کر کے ان مبارک ایام سے پوری طرح مستفیض ہوں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے آمین۔ (نائب قائد ایثار)

معین اعداد و شمار کا ریکارڈ

ستمبر میں قیادتِ ایثار کے سالانہ پروگرام کی روشنی میں ایک سوالنامہ تیار کر کے جملہ مجالس کو بھجوایا گیا تھا "تاکہ سارے سال کے معین اعداد و شمار کا گزشتہ سالوں کے اعداد و شمار سے مقابلہ کر کے سال دار رفتار ترقی کا جائزہ لیا جا سکے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں مزید گزارش یہ ہے کہ معین اعداد و شمار ریکارڈ کرنے کا شروع سال سے ہی انتظام فرمایا جائے تاکہ آئندہ اجتماع پر سہولت رہے نیز ماہوار رپورٹوں میں بھی ان اعداد و شمار کا اندراج کیا جایا کرے۔ جزاکم اللہ۔ (نائب قائد ایثار)

اب خدا تعالی کے نزول رحمت کا وقت ہے

دعائیں مانگو ، استقامت چاہو ، درود بکثرت پڑھو

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں :-

''میں پھر کہتا ہوں کہ اس وقت بھی خداتعالی نے دنیا کو محروم نہیں چھوڑا - اور ایک سلسلہ قائم کیا ہے - ہاں اپنے ہاتھ سے اس نے ایک بندہ کو کھڑا کیا اور وہ وہی ہے جو تم میں بیھٹا ہوا بول رہا ہے - اب خدا تعالی کے نزول رحمت کا وقت ہے - دعائیں مانگو ، استقامت چاہو ، اور درود شریف جو حصول استقامت کا ایک زبردست ذریعہ ہے بکثرت پڑھو - مگر نہ رسم اور عادت کے طور پر بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن اور احسان کو مدنظر رکھ کر اور آپؐ کے مدارج اور مراتب کی ترقی کے لئے اور آپ کی کامیابیوں کے واسطے - اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ قبولیت دعا کا شیریں اور لذیذ پھل تم کو ملے گا -

قبولیت دعا کے تین ہی ذریعے ہیں - اول ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی - دوم یا ایھاالذین امنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیما - تیسرا موہبت الہی - اللہ تعالی کا یہ عام قانون ہے کہ وہ نفوس انبیاء کی طرح دنیا میں بہت سے نفوس قدسیہ ایسے پیدا کرتا ہے جو فطرتاً استقامت رکھتے ہیں -

یہ بات بھی یاد رکھو کہ فطرتاً انسان تین قسم کے ہوتے ہیں - ایک فطرتاً ظالم لنفسہ ، دوسرے مقتصد یعنی کچھ نیکی سے بہرہ‌ور اور کچھ برائی سے آلودہ ، سوم برے کاموں سے متنفر اور سابق بالخیرات - پس یہ آخری سلسلہ ایسا ہوتا ہے کہ اجتباء اور اصطفاء کے مراتب تک پہنچتے ہیں - اور انبیاء علیہم السلام کا گروہ اسی پاک سلسلہ میں سے ہوتا ہے - اور یہ سلسلہ ہمیشہ ہمیشہ جاری ہے دنیا ایسے لوگوں سے خالی نہیں''

(ملفوظات جلد نہم صفحہ ۲۳)

طابع نصرت آرٹ پریس ربوہ میں چھپا